

وَأَعِظْهُمْ بِحُجُلِ الْبَيْتِ
 اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی
 سے تھام لو اور آپس میں نہ پڑو

حجۃ

12

وَمَا كَانَ اللَّهُ يُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ
 حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد پھر گمراہ
 قرار دے جب تک کہ ان پر وہ ساری چیزیں واضح نہ کر دے جن سے انہیں
 بچنا چاہیے۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ (التوبة: ۱۱۵)

(التوبة: ۱۱۵)

الہامی ادب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعْنِیْ
لَعَلّٰی اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ کَلَامَ اَنْہَا کَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا
وَمِنْ وَرَآئِهِمْ يَرْزَخُ اِلَیْ یَوْمٍ یَّعِشُوْنَ فَاِذَا نَفَخَ فِی
الصُّوْرِ فَلَا اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ تَوَمِّدْ وَلَا یَتَسَاءَلُوْنَ
فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ
وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهُ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْا
اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ ؕ



یہاں تک کہ جہاں میں سے کسی کی موت آجائے گی تو وہ کہے گا کہ اے میرے رب مجھے
واپس بلا لے۔ امید ہے کہ اب میں نیک عمل کروں گا۔ ہرگز نہیں یہ تو بس ایک بات ہے جو
وہ کہہ رہا ہے اب ان سب مرتے والوں کے درمیان ایک برقعہ ہے جو یوم قیامت
تک کے لیے ہے۔ پھر جو وہی پھونک دیا جائے گی۔ ان کے درمیان آپس میں کوئی
رشتہ نہیں ہے گا اور وہ نہ ایک دوسرے سے کوئی سوال کریں گے۔ اس وقت
جن کے پلٹے بھاری ہوں گے وہ فلاح پانے والے ہیں اور جن کے پلٹے ہلکے ہوں گے
لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو گھائے میں ڈال لیا۔

کمال اللہ

مدیر مسئول: محمد اعظم خان
نائب مدیر: طارق نسیم

ایسٹن شمارے میں

○ قیامتیں ○

① حدیث دل

② صالح علیہ السلام

③ اَلْفَيْتَ كُلَّ تَيْمَةٍ لَا تَنْفَعُ اَنْسِلَ الدِّينِ

④ تبتان عجم کے پجاری

⑤ عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہونا

اللہ کی صفات میں

⑥ فالتحت خلف الامام حکیم محمد رمضان

⑦ مثل آدم یا مثل مرزا فقیر اللہ

⑧ سلسلہ سوال و جواب

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی
رحمۃ اللہ علیہ

معاونین

محمد علی گل

ڈاکٹر طارق الرحمن

سعید احمد

انیس الدین

پیر
بلا قیمت
تقسیم کیا جاتا ہے



مقام اشاعت خط و کتابت کا پتہ
دفتر جمیل اللہ
۱۸-ای رفاہ عالم سوسائٹی گڑھی راجہ
فون: ۸۸۵۷۳۵

تحریر کی کو متحرک رکھنے اور
تجلیل اللہ کی اشاعت ممکن بنانے کے
لئے ہر ماہ پچھڑنے والی تعاون
ضرور فرمائیے۔

حدیثِ دل

امتِ مسلمہ کی موجودہ ناگفتہ بہ حالت فردی طور پر وجود میں نہیں آئی بلکہ یہ ایمان کی کمزوری سے شروع ہو کر اس کے خاتمے کی طرف صدیوں پر محیط مسلسل زوال و انحطاط کے سفر کا شرف ہے۔ وہ امت جس کو دنیا کی امامت کے لئے برپا کیا گیا تھا اور بھائے الفاظ قرآنی جسے گنہگار خیر امتِ اُخْرِیَّتِ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْعُرْوَةِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُقِيمُونَ بِاللَّهِ ط کے مصداق ایمانی خالص کو اختیار کرنے کے بعد دنیا والوں کو اس خیر کی طرف بلانا اور بڑائی سے روکنا تھا اور اس راہ میں قرآن و حدیث کی صورت میں اللہ کی رستی کو مضبوطی سے تھام کر ہر طرح کی تفرقہ بازی سے اپنے دامن کو بچاتے ہوئے آخر دم تک اپنے مالکِ فرمانبرداری اور اطاعت شکاری کے عہد کو نبھانا تھا، آج ایمان سے تہی دامن، شرک سے بڑی طرح آلود، ایمانی اور محسنِ عمل کی دعوتی ذمہ داری سے غافل اور باہمی انتشار و افتراق میں مبتلا ہونے کی ایک الماک صورت پیش کر رہی ہے۔

گویا جس ایمان کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ایک کمزور اور باہم متخاصم قبائل پر مشتمل قوم کو ایک متحد اور مضبوط قوت بنا دیا تھا، جس نے اللہ کی تائید و نصرت سے مختصر عرصہ میں وقت کی دو سپر پاورز کو زیر کر کے کامیابی اور سرفرازی کی بلندیوں کو چھو لیا تھا اور جس کی بحیثیت ہر طرح کی عصیتوں سے پاک، صرف اسلامی اخوت و بھائی چارے کا ہیتمال نمونہ پیش کرتی تھی، آج وہ اسی ایمان کے اندر غدر کی وجہ سے اللہ کی ناراضگی کا شکار ہو کر ذلت و رسوائی اور پستی و مغلوبیت کی اس حد پہنچ چکی ہے کہ ان کی بحیثیت پارہ پارہ ہے، ان کے شہروں سے دھواں اٹھ رہا ہے، ان کی بستیوں کو تاراج کیا جاتا ہے اور ان کی عسکریوں کے دامن تک تاراج ہیں۔ چنانچہ عالمی سطح پر اسلام کے نام لیوا ہوں یا ملک پاکستان کے کلمہ پڑھنے والے ہر جگہ یہ نام نہاد امتِ مسلمہ اسی کیفیت سے دوچار ہے۔ ایک طرف عین اقام ہر جگہ اس تر مال کی طرف ایک دوسری کو دعوت مبارزت دے رہی ہیں تو دوسری طرف یہ خود باہم دگر دست و گریباں ہیں۔ اس سلسلے میں زیادہ دُور جانے کی ضرورت نہیں صرف پاکستان کے اندر رہتے والے ملتِ اسلامیہ کے فرزندوں کے حالات ہی ہماری آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہیں کہ کس طرح ایک کلمہ گو کے ہاتھوں دوسرے کلمہ گو کی جان، مال اور عزت غیر محفوظ رہیں اور ایک دینِ اسلام کے ساتھ وابستگی کے دعوے کے باوجود یہاں کتنے مذاہب، مسالک

اور فرماتے ہیں۔ اسی طرح سیاسی، لسانی اور علاقائی تفریقیں ہیں اور انہی بنیادوں پر آپس میں لڑائی تھکڑے اور سر پھٹک ہو رہی ہے۔

ظاہر ہے یہ سب کچھ اللہ کی ندامتگی اور اس کے عذاب کی ایک صورت ہے جو آج ہمارے اوپر مسلط ہے اور اس کی بنیادی وجہ وہی ایمان و عقیدے کی خرابی ہے جو اُمّ الجہات ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی کیفیت سے مدبہ کر کے انسان کو سنبھلنے کا موقع فراہم کرتا رہتا ہے جیسے فرمایا گیا۔ **تَطْصِرُ الْفَسَادَ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُزِيلَ بَعْضُ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلْتُمْ لَعَلَّكُمْ يَتَذَكَّرُونَ** (الرّوم: ۴۱) کہ خشکی اور تری میں لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے سبب فساد پھیل گیا ہے تاکہ اللہ ان کو ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے اور وہ رجوع کر لیں۔ پھر فرمایا **وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّكُمْ يَرْجِعُونَ** (السجده: ۲۱) اور ہم ان کو (قیامت کے) بڑے عذاب سے قبل (دنیا کے) چھوٹے عذاب کا مزہ چکھائیں گے تاکہ وہ تائب ہو کر پلٹ جائیں۔

آج عالم اسلام کا معاملہ ہو یا پاکستان کا، ہر طرف علماء و دانش ور اور دیگر رہنما اتفاقاً اتحاد اور امن پر زور دے رہے ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتفاق و اتحاد کس بات پر؟ پُر امن بقائے باہمی کے درآمد شدہ اصول کے تحت موجودہ مسالک، فرقوں اور گروہ بندیوں کو علیٰ حالہ قائم رکھتے ہوئے اس مجموعہ اضداد پر یا اللہ کے دین کے وسیع تر مظلہ میں ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ واحد کی بندگی اور اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی اختیار کرنے پر؟ کیونکہ مقدم الذکر صورت حال تو نتیجہ ہے مؤخر الذکر انداز کو ترک کرنے کا۔ اللہ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اس پر نگاہ ہیں کہ مذکورہ بالا سنگین صورت حالات میں کسی مثبت تبدیلی کا سرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جامہ پہن کر دعوت حق کو اٹھایا جائے توحید کا پرچار ہو اور شرک و طاغوت پرستی کا رد کیا جائے۔ آخرت کی جوابدہی کے احساس کو اجاگر کیا جائے۔ اللہ کے نزدیک دنیا و آخرت میں امن و سلامتی کے حقدار اور برسر ہدایت سفر وہی خوش نصیب ہیں جو ایمان لانے کے بعد اپنے ایمان کو شرک کے ہر شاہرے سے بچا کر اُس کے تقاضے کو پورا کر دکھائیں۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُّسْتَدُونَ

(الانعام: ۸۳)

صَالِحٌ عَلَيْهِ السَّلَام

تحریر: ابو الفرج بدوٹ کراچی

قوم عاد کی ہلاکت کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو سر فرازی اور دنیا کی حکمرانی عطا فرمائی اور ان کو ہر طرح کی دنیاوی نعمتوں سے نوازا۔ سورۃ الاحزاب میں اس قوم کو صالح علیہ السلام کے ذریعے کرائی گئی یاد دہانی کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے۔
 وَادْكُرُوا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَآءَءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَلَقَدْ اَكْثَرْتُمْ فِي الْاَرْضِ تُنْحَدُونَ مِنْ سُكُوْنِهِمْ
 قَصُورًا اَوْ تُنْحَدُونَ الْجِبَالِ بَيْوْتًا ۝

”اور یاد کرو جب اللہ نے تم کو قوم عاد کے بعد اس کا جانشین بنایا اور تم کو زمین میں (اسطرح) آباد کیا (تمہیں عطا فرمایا) کہ تم اس (زمین) کے میدانی علاقوں میں غلات تعمیر کرتے اور پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے ہو“ (آیت ۲۴)

ثمود عرب کی سب سے قدیم قوموں میں دوسری قوم ہے جو قوم عاد کے بعد زیادہ مشہور معروف ہے۔ اس قوم کا تعلق شمال مغربی عرب کے اس علاقے سے تھا جو البحر کے نام سے موسوم ہے۔ آج کل مدینہ اور تبوک کے درمیان حجاز ریلوے پر ایک اسٹیشن آتا ہے جسے مدائن صالح کہتے ہیں۔ یہی علاقہ ثمود کا مرکز تھا۔ اور پرانے زمانے میں حجر کھلاتا تھا۔ قرآن میں اس علاقے کے حوالے سے بھی قوم ثمود کا ذکر آیا ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ الْمُتَلَبِّثُ الْخَنَازِرُ السَّالِیْنَ ۝ کہ (واوئی) حجر کے بہنے والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔ (البحر ۸۰)
 اور اسی نسبت سے قرآن کی متعلقہ سورۃ ”البحر“ کے نام سے موسوم ہے۔ آج بھی اس جگہ پر وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی اس زمانے کی بہت سی عمارتیں موجود ہیں جن کو اہل ثمود نے پہاڑوں کو تراش تراش کر بنایا تھا۔

غزوہ تبوک کے موقع پر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ اس علاقے سے گزرسے تو آپؐ نے انکو یہ آثارِ عبرت دکھائے اور بتایا کہ یہ علاقہ اس ظالم قوم کا مسکن تھا جس پر اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب نازل کیا گیا۔ آپؐ نے اپنے اصحاب کو میاں کے کنوؤں سے پانی پینے یا بھر کر رکھنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ صحابہؓ کے تباہی پر کہ انہوں نے میاں سے مشکیزوں میں پانی بھر لیا ہے اور اس سے آٹا بھی گوندھ لیا ہے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ وہ پانی بہا دیا جائے اور گوندھا ہوا آٹا انہوں کو کھلا دیا جائے اور ایک کنویں کی نشاندہی کی کہ فرمایا کہ اس کنویں سے پانی بھرو جہاں سے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی۔ آپؐ نے صحابہؓ سے یہ بھی فرمایا کہ یہ ٹھہرنے کی جگہ

نہیں بلکہ عبرت اور رونے کا مقام ہے۔ اس لئے اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے یہاں سے جلدی گزر جاؤ۔ پھر آپ نے اپنے سر کو پھیلایا اور تیزی کے ساتھ اس جگہ سے نکل گئے (بخاری و مسلم)

قرآن کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح قوم عاد اونچے اونچے ستونوں والی عالیشان عمارتیں بناتے تھے اسی طرح قوم ثمود کے تمدن کی نمایاں پہچان اور وہ چہ شہرت یہ تھی کہ وہ پتھر کی چٹانوں کو تراش تراش کر ان کے اندر عمارتیں بناتے تھے۔ چنانچہ سورہ فجر میں عاد کو ذات السمواء (ستونوں والے) کہا گیا۔ ثمود کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

اَلَّذِينَ جَاءُوا الصَّخْرَ بِالْاَوْدَہِ کہ وہ اپنے رہنے کے لئے چٹانوں کو تراش کر گھر بناتے تھے۔

اس کے علاوہ سورۃ الاعراف کے مطابق وہ زمین کے ہموار علاقوں میں بھی بڑے بڑے عمارتیں تعمیر کرتے تھے (آیت نمبر ۷۷) اس قوم کے حالات و واقعات کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ سورۃ الاعراف (آیات ۷۳ تا ۷۹) ہود (آیات ۶۱ تا ۶۸) الحج (آیات ۸۰ تا ۸۳) الشعراء (آیات ۱۳۱ تا ۱۵۹) النمل (آیات ۲۵ تا ۵۳) القصص (آیات ۲۳ تا ۳۳) اور سورۃ الشمس (آیات ۱۱ تا ۱۵) میں بیان کیا گیا ہے اس کے علاوہ سورہ بنی اسرائیل، خم السجہ، الذاریات، کافۃ اور بعض دوسرے مقامات پر بھی اہل ثمود کا ذکر آیا ہے۔

قرآن میں بیان کردہ عاد و ثمود کے اوصاف اور حالات میں بڑی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے اور شاید اسی لئے قوم ثمود کو عاد ثمودی بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قوم عاد کی تباہی کے وقت جن اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کے ساتھ عذاب سے بچا لیا تھا۔ انہوں نے عرب کے شمال مغرب کی طرف ہجرت کی اور حجر کے علاقے میں آکر سکونت اختیار کر لی۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ان کی نسل کو بڑھایا اور خیر و برکت سے نوازا اور اس طرح ان کی نسل کو عروج و افتخار حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ ایک عرصہ گزرنے کے بعد جب پہلی قوموں کی طرح انہوں نے بھی اللہ کی نعمتوں اور اس کے احسانات کو فراموش کر دیا اور اس کی بندگی اور شکر گزاری کے بجائے نافرمانی اور سرکشی کا رویہ اختیار کیا۔ اللہ پر ان کے ایمان اور اعتماد میں ہکا بکا پیدا ہو گیا اور وہ اس وحدہ لا شریک کی ذات و صفات اور حقوق و اختیارات میں اس کی مخلوق کو شریک ٹھہرنے لگے۔ اللہ کی ذات اس کی منایات اور آخرت کی جوابدہی سے بے پروا ہو کر دنیاوی وسائل اپنی تعمیر و ترقی، شاندار عمارت اور مضبوط پناہ گاہوں پر مطمئن ہو کر ان پر فخر کرنے لگے اور اس طرح اللہ کی زمین پر عدل و اعتدال کی حد کو پھلانگ کر شر اور فساد پھیلانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق ان کی ہدایت کے لئے انہی میں سے اپنے ایک بندے کو رسول بنا کر اٹھایا جنہوں نے اس قوم کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔ اور ان کے سامنے (انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ سنت کے مطابق) اللہ واحد کی بندگی کی بنیاد کی دعوت پیش کی۔

یہ رسول صالح علیہ السلام تھے۔ اللہ فرماتا ہے: وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا مَّا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَيْرُهُ (الاعراف ہود)

”اور قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو رسول بنا کر بھیجا تو اس نے اپنی قوم کو پکارا کہ اے میری قوم! ایک اللہ کی بندگی اختیار کرو اس کے علاوہ کوئی دوسرا تمہارا معبود نہیں ہو سکتا۔“ صالح علیہ السلام نے قوم کو سمجھایا کہ دیکھو جب اللہ ہی نے تم کو وجود بخشا اور زمین میں تم کو آباد کیا ہے۔ یہاں تمہاری زیست اور پرورش کا انتظام فرمایا ہے تو پھر اس کے علاوہ کسی اور کو تمہارا معبود ہونے کا حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ اس لئے اب تک جو تم اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی بندگی اور پرستش کرتے رہے ہو اس سے اجتناب کرو اور اس

جرم کی اپنے رب سے معافی مانگتے ہوئے اسی کی طرف پلٹو۔ یقیناً تمہارا رب تم سے بہت قریب ہے اور بلا واسطہ تمہاری دعاؤں کو سنتے اور ان کا جواب دیتے والا ہے۔ تم اس کے لئے واسطے اور وسیلے تلاش کرنے کے بجائے براہ راست اس کو پکارو اور اسی سے رجوع کرو۔

اسی طرح صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کے بعد تمہیں اس کا جانشین بنایا ہے۔ تم سے پہلے اللہ نے اس قوم کو جسمانی طاقت اور ہر طرح کے مادی وسائل سے نواز کر سرفراز کیا تھا۔ انہوں نے بھی شاندار محلات اور اونچی اونچی عمارات بنا کر بڑی ترقی کی تھی لیکن جب انہوں نے اللہ کی بندگی کو ترک کر کے نافرمانی اور سرکشی کا رویہ اختیار کیا۔ اللہ کے مقابلے میں اپنی طاقت اور مادی وسائل پر گھمنڈ کیا اور سمجھانے کے باوجود براہ راست پرہ آئے تو پھر اللہ کے غضب کا شکار ہوئے اور ان کی تعمیر و ترقی اور دیوی وسائل ان کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے ایماندار اور صالح بندوں (جن کو ہود علیہ السلام کے ساتھ عذاب سے بچایا گیا تھا) کی نسل کو بڑھایا اور تم کو ان کی نسل سے ایک قوم کی حیثیت میں اٹھایا۔ تمہیں اپنی نعمتوں اور برکتوں سے نوازا اور زمین پر اس طرح ممکن عطا کیا ہے کہ آج تم اس کے ہوا ملاتوں میں عالیشان محلات تعمیر کرتے ہو اور اس کے پہاڑوں کو تراش تراش کر اپنے لئے گھر بناتے ہو۔ اس لئے اللہ کے ان احسانات اور اس کی قدرت کے کرموں کو یاد کرو اور اس کی نافرمانی کر کے زمین پر فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ اس نے جو معاملہ قوم عاد کے ساتھ کیا وہ تمہارے ساتھ بھی کر سکتا ہے۔ اس کے عذاب سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔ مجھے اللہ نے ہدایت کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میں پوری امانت داری کے ساتھ بے کم و کاست اللہ کی بات تم تک پہنچا رہا ہوں اور اس طرح فریضہ رسالت کی کیا آہی میں لگا ہوا ہوں۔ تمہارا بھندہ داور خیر خواہ ہوں اور اس بھندہ دی اور خیر خواہی یعنی اللہ کی بندگی کی طرف دعوت دینے کے سلسلے میں تم سے کسی اجر یا مہادہ منے کا طلبگار بھی نہیں ہوں۔ اس اجر کی امید تو میں اس رب کی بارگاہ رکھتا ہوں جس نے مجھے منصب رسالت پر نائز فرمایا ہے اور جو سارے عالم کا پروردگار ہے۔

صالح علیہ السلام نے قوم کو اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں اور پھینک دینے کے لئے ان سے پوچھا کہ کیا تم ان سب چیزوں کے درمیان جو یہاں تم کو میسر ہیں آرام سے چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ اور آج تم جس عیش و آرام میں مگن ہو۔ جن باغات کے رس پھسکے خوشوں اور پانی کے چشموں سے لطف اندوز ہو رہے ہو۔ جن کھیتوں اور فصلوں کی بھاریں لوٹا رہے ہو اور جن تعمیرات اور ترقیوں کے ماحول میں مگم ہو۔ کیا ہمیشہ یہی سہل و ہنار رہیں گے۔ فرمایا نہیں بلکہ جس ماحول نے یہ سب کچھ تم کو وافر مقدار میں عطا فرمایا ہے وہ ایک دن ضرور تم سے اس کا حساب لے گا اور سخت محاسبہ کرے گا۔ اس لئے اس کی پکڑ سے بچنے کا انتظام کرو اور میری اتباع کرو اور میرے مقابلے میں ان بے لگام اور شر پسند لوگوں کی پیروی مت کرو۔ جہنم میں فساد برپا کرتے ہیں اور کسی طرح بھی اصلاح احوال نہیں کرتے۔

صالح علیہ السلام نے جب اس طرح سے اپنی قوم کو الہ واحد کی بندگی کی دعوت دینا شروع کی تو کچھ لوگ اس دعوت کی طرف متوجہ ہوئے اور صالح علیہ السلام پر ایمان لائے۔ یہ معاشرے کے مقابلتا کمزور طبقے کے افراد تھے جب کہ دوسرے بہت سے شریلو و فسادہ قسم کے لوگ جن میں قوم کے سردار اور صاحب حیثیت لوگ بھی شامل تھے دعوت کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس طرح قوم دو گروہوں میں

تقسیم ہو گئی۔ دونوں میں بحث و تکرار شروع ہو گئی۔ جیسا کہ عام طور پر انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے ساتھ ہوتا ہے چنانچہ سورۃ الاعراف میں قوم ثمود کے ان دو گروہوں کے درمیان ہونے والی اس کشمکش کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ قوم کے رؤسا اور سرداروں نے جن کو اپنی بڑائی کا گھنڈ تھا، ایمان لانے والے کمزور طبقے کے لوگوں سے پوچھا کہ کیا تم لوگ واقعی اس بات کو صحیح جانتے ہو کہ صالحؑ اپنے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے اور کہا کہ اگر تم اس شخص کو اللہ کا رسول سمجھ بیٹھے ہو تو بڑے کم عقل اور بدھو ہو۔ اہل ایمان نے جواب دیا کہ بلاشبہ ہم اس پیغام پر ایمان رکھتے ہیں جو وہ دے کر بھیجے گئے ہیں۔ گویا انہوں نے صالح علیہ السلام کی رسالت کو تسلیم کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی اصل دعوت پر اپنے پختہ ایمان کا اعلان بھی کیا۔ ایمان لانے والوں کے اس جراتمند جواب کے بعد مغرور سرداروں نے اپنے غرور تکبر کا مظاہرہ کیا۔ اور کہا کہ تم حسین چیز (یعنی صالح علیہ السلام اور ان کی دعوت) پر ایمان لائے ہو ہم تو ان کو نہیں مانتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول کرنے میں ہمیشہ غریب اور کمزور لوگ ہی آگے بڑھے ہیں اس لئے کہ وہ تکبر کے حجاب سے پاک ہوتے ہیں اور تکبر و غرور وہ چیز ہے جو قبول حق میں سب سے بڑھ کر مانع ہے۔

صالح علیہ السلام نبوت کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے بھی قوم میں اپنی بہترین صلاحیتوں اور بلند سیرت و کردار کے اعتبار سے بہت معروف تھے۔ چنانچہ ان کے اخلاق و اوصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب وہ نبوت کے دعوے کے ساتھ لوگوں کے سامنے دعوت پیش کرتے تو وہ سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کرتے لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ انبیاء کی مخاطب تو ہوں کاملاً عام طور سے اس کے برعکس رہے۔ جس شخص کو وہ عام زندگی میں امین اور صادق تسلیم کرتے رہے ہیں۔ جو نبی اس نے اللہ کے نبی کی حیثیت سے بات پیش کی اس کو کاذب کہنے لگے اور اس کی بیان کے درپے ہو گئے۔ چنانچہ صالح علیہ السلام کی قوم کو پہلے ان سے بڑا حسن ظن تھا لیکن جب وہ نبی کی حیثیت سے سامنے آئے۔ توحید کی دعوت دی اور شرک سے روکا تو قوم کا سارا حسن ظن غائب ہو گیا۔ اور انہوں نے کہا اے صالح! اس سے پہلے تم ہمارے درمیان ایک ایسی شخصیت تھے جس سے ہماری بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ ہمیں توقع تھی کہ تم باپ دادا کا نام روشن کرو گے۔ اور آبائی دین کی عظمت اور شہرت میں اضافہ کر دے لیکن تم اچھے نیکے کہ ہمیں ہمارے ان مسجودوں کی بندگی سے روک سکتے کھڑے ہو گئے جن کو ہمارے آباؤ اجداد پوجتے آئے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ تمہاری اس دعوت کے سبب جو تم ہمیں دے رہے ہو۔ ہم سخت شک اور الجھن میں پڑ گئے ہیں۔ تمہاری ان باتوں نے تو ہماری امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ ہم کیا توقعات لئے بیٹھے تھے اور تم نے کیا قندہ کھڑا کر دیا ہے۔ صالح علیہ السلام نے کہا کہ میری قوم کے لوگو! ذرا غور تو کرو کہ جو دعوت میں سے رہا ہوں وہ اللہ کی توفیق سے میرے ضمیر کی آواز بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے مزید اپنی رحمت سے نوازا ہے اور نبوت کی ذمہ داری کے ساتھ بذریعہ وحی مجھے اس کی تعلیم دی ہے اگر میں اس راستے سے ہٹ کر کوئی اور راستہ اختیار کروں تو مجھے اللہ کی پکڑ سے کون بچائے گا؟ اگر میں یہ راہ چھوڑ کر تمہاری توقعات پوری کرنے لگوں تو تم سوائے اس کے کہ میری بدنحی اور نامرادی میں اضافہ ہی کرو، اللہ کے مقابلے میں میرے کسی کام نہ آ سکو گے۔

قوم نے صالح علیہ السلام کی خیر خواہانہ دعوت پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کے بجائے ان سے کہا کہ ہم کو تو تم کچھ بھروسہ آدمی معلوم ہوتے ہو۔ غالباً کسی نے تم پر ایسا جادو کر دیا ہے کہ تمہاری عقل یا نکل ہی ماری گئی ہے جس کی وجہ سے ہماری اس تہذیب و ترقی میں

تمہیں خطرے ہی خطرے نظر آتے ہیں۔ اور ایک خطرے سے تم بھی ڈرا بھی رہے ہو۔ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے ساتھ
 مخالفین کا عام رویہ رہا ہے کہ جہاں نبی نے قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ قوم نے اسی عذاب کا مطالبہ شروع کر دیا۔ صالح علیہ السلام
 کی قوم نے بھی وہی انداز اختیار کیا اور ان سے کہا کہ اگر تم واقعی اللہ کا رسول ہوئے کہ دعویٰ دار ہو تو لے آؤ ہم پر عذاب جس کی دھمکی تم
 ہمیں دیتے رہے ہو۔ صالح علیہ السلام نے بڑی نرمی سے ان کو سمجھایا کہ لوگو! میں تو تمہیں اللہ کی رحمت کی طرف بلا رہا ہوں اور تم ہو کہ اس
 خیر اور رحمت کے ہنگامے سے پہلے اللہ کے عذاب کے لئے جلدی چار رہے ہو۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ آخر کیوں نہیں اپنے رب سے مغفرت طلب
 کرتے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے تاکہ وہ مہربان رب تمہارے گناہوں کو معاف کر دے اور تم اس کی رحمت کے مستحق بن جاؤ لیکن قوم
 نے اس مخلصانہ نصیحت کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور صالح علیہ السلام سے کہا کہ تم اور تمہارے ساتھی تو ہمارے لئے نخواست کا نشان ہو۔
 جب سے تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے آباءِ دین سے بغاوت کر کے یہ دعوت دینا شروع کی ہے۔ ہم پر کوئی نہ کوئی مصیبت آتی رہتی ہے
 کیونکہ ہمارے عبودیت سے باز رہنے ہو گئے ہیں۔ دوسرا یہ کہ پہلے ہماری قوم میں اتفاق تھا۔ ہم ایک دین پر راجع تھے لیکن تمہارے آنے سے ہمارے
 اندر انتشار پیدا ہو گیا ہے۔ صالح علیہ السلام نے قوم کو بتلایا کہ یہ آزمائشیں اور آفتیں جن کو تم ہماری نخواست کا نتیجہ قرار دے رہے ہو
 ان سب کا تعلق اللہ کی تدبیر و تقدیر اور اس کی مشیت و حکمت سے ہے۔ یہ ہماری نخواست کی وجہ سے نہیں ظاہر ہو رہی ہیں بلکہ یہ اللہ
 کی طرف سے تمہاری آزمائش ہو رہی ہے اور اللہ ان آزمائشوں میں ڈاکٹر تمہیں دیکھ رہا ہے کہ تم میں قبول حق کی کچھ صلاحیت ہے یا اب
 تم بالکل ہی مردہ اور دفن کر دیئے جانے کے لائق ہو گئے ہو۔

غرض صالح علیہ السلام نے ہر طرح سے قوم کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن قوم کی اکثریت نے ان کی دہ دہندی اور غیر خواہی کا کوئی اثر قبول
 نہیں کیا۔ بلکہ وہ ان کی دعوت کے مقابلے میں اپنی جمیعت، تمدن کی ترقی اور اپنے آباؤ اجداد اور سرداروں کی بڑائی کے غرور میں ہی مبتلا رہے
 اور انہوں نے صالح علیہ السلام کی رسالت کو جھٹلانے کے لئے مذکورہ بالا مختلف قسم کے اشکالات کے علاوہ یہ اعتراض بھی ظاہر کیا کہ ایک ایسا
 شخص جو ہماری طرح بشر ہے کوئی مانوق البشرستی نہیں۔ ہماری اپنی ہی قوم کا ایک عام فرد ہے کوئی بڑا سردار نہیں اور اکیلا ہے معاشرے کے
 چند کمزور اور کم حیثیت افراد کے علاوہ اس کی پشت پر کوئی بڑا جتھا یا لشکر نہیں، اس کو کیونکر اللہ کا رسول مان کر اس کی اتباع کی جا سکتی
 ہے۔ اس میں آخر ایسی کیا خصوصیت ہے کہ پوری قوم میں سے اسی ایک شخص کو اس مقصد کے لئے چنا گیا ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ یہ شخص
 اپنے دعوے بتوت میں سچا ہو بلکہ یہ بالکل جھوٹا اور شیخی باز ہے۔ اس طرح کا دعویٰ کر کے یہ ہمارے اوپر صرف دھونس جانا چاہتا ہے۔
 اس نے اس کی پیروی کا مطلب گمراہی اور خود غریبی میں پڑنے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

قرآن میں اس اعتراض اور انکار کو اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے :- مَّا آفَنَّاكَ إِلَّا بَشْرًا مِّثْلَكَ ۚ کہ تم بھی تو ہمارے
 ہی جیسے ایک انسان ہو۔ آخر تمہارے ایسے کیا سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ ہم تمہیں اللہ کا رسول مان لیں اور تمہاری دھمکیوں سے ڈر کر اپنے
 دنیاوی معاملات اور مشغولات کی بساط پھینک کر رکھ دیں۔ اگر اللہ کو کوئی رسول ہی بھیجتا تھا تو ہمارے ہی جیسے ایک انسان کے بجائے کسی فرشتے پرے
 یا کسی مانوق البشرستی کو کیوں نہیں بھیجا؟ فَأَتَتْ بِهَا قَوْمُهَا وَابَيْتُوهَا ۚ إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ۚ ہم تو تمہاری بات پر یقین نہیں کرتے بلکہ تمہیں

حق ایک جھوٹا آدمی سمجھتے ہیں۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ہمیں کوئی ایسی نشانی دکھاؤ جس کو دیکھنے کے بعد ہمیں یقین ہو جائے کہ بیشک تم اللہ کے رسول ہو۔

بالآخر قوم کے اس فیصلہ کن جواب کے بعد صالح علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے ان کے سامنے ایک اونٹنی کو بطور نشانی پیش کیا کہ یہ اونٹنی بے تمنا سے لئے عذاب کی نشانی۔ ساتھ ہی بطور آزمائش یہ شرائط بھی عائد کر دیں کہ اس کو اللہ کی زمین پر آزادانہ چرنے پھرنے دو۔ ایک دن اس کے پانی پینے کے لئے مخصوص ہوگا۔ اور ایک دن تم اور تمہارے جانور پانی پوچھو گے اور یہ کہ اس کو بری نیت سے ہاتھ نہ لگانا یعنی اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ دردناک عذاب کی پکڑ میں آ جاؤ گے۔ ظاہر ہے جس اونٹنی کو قوم کے مطالبے پر بطور نشانی پیش کیا گیا وہ اپنی پہچان کے اعتبار سے کوئی خاص اونٹنی ہوگی۔ یا اپنی خلقت اور ظہور میں کسی بجزانہ پہلو کی حامل ہوئی ہوگی۔ کیونکہ قرآن میں اس کا ذکر اسی انداز سے کیا گیا ہے۔ **هَلْ يَكْفِيكُمْ اللَّهُ عَذَابًا يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ ۚ إِنَّ إِلَٰهَكُمْ لَشَدِيدٌ** کہ ”یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لئے نشانی (الاعراف۔ ہود) ۛ اَتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً ۚ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ كَافٍ“ (بنی اسرائیل، ۵۹)۔

اللہ تعالیٰ معجزہ یا نشانی اسی لئے دکھاتا ہے کہ لوگ اس کو دیکھ کر خیردار ہو جائیں کہ نبی جو دعوت ان کے سامنے پیش کر رہا ہے وہی حق ہے اور یہ کہ اُس کی پشت پر اللہ کی زبردست اور بے پناہ طاقت ہے اور اس طرح انہیں معلوم ہو جائے کہ نبی کی تکذیب کا کیا انجام ہو سکتا ہے؟ قرآن میں اللہ فرماتا ہے **وَمَا مَرْسَلٌ إِلَّا بِآيَةٍ ۖ وَإِلَّا تَخْوِيفًا** ”اور ہم نشانیاں تو ڈرانے کے لئے ہی بھیجا کرتے ہیں“ (بنی اسرائیل، ۵۹)۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کے مطالبے اور اصرار پر اس اونٹنی کو بطور نشانی بھیج کر ان کے لئے سخت آزمائش بنادیا۔ اب یہ ان کے لئے عذاب کی نشانی تھی۔ کیونکہ اونٹنی کے پانی پینے اور چرنے پھرنے کے سلسلے میں متعین شرائط کی خلاف ورزی یا اُس کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی صورت میں ان پر اللہ کا عذاب آ سکتا تھا لیکن اگر اسی اور نہ فرمائی میں حد سے تجاوز کرنے والی یہ سرکش قوم بھلا کب اس پابندی کو زیادہ غریب سے تنگ گوارا کرنے والی تھی کہ ایک دن گھاٹ پر اکیلی یہ اونٹنی پانی پیئے اور دو سکر دن وہ خود بھی پانی حاصل کرے اور اپنے جانوروں کو بھی پلائے اور پھر یہ ان کے کھیتوں باغوں اور غلستانوں میں آزادی سے چرتی پھرے؟ چنانچہ جہاں ایک طرف اس قوم کے نوگروہوں نے اپنے سرداروں کی سرکردگی میں صالح علیہ السلام اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو اپنے راستے سے ہٹانے کی خفیہ سازش تیار کی وہاں دوسری طرف قوم کے ایک نام نہاد بھی خواہ نے اونٹنی کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

یاد رہے کہ قوم ثمود کے اندر نوبرجس خاندان یا گروہ تھے جن کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔ **وَكَانَ فِي الْمَدْيَنَةِ ثَمُودٌ ۚ وَهُوَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ ۚ إِنَّ إِلَٰهَكُمْ لَشَدِيدٌ** (النمل، ۴۸) ان کا معاشرے پر بڑا نمایاں اثر تھا لیکن یہ سب گروہ اپنے سرداروں کی قیادت میں صالح علیہ السلام کی دعوت کے شدید مخالف تھے اور اس طرح بجائے اس کے کہ صالح علیہ السلام کی دعوت کو قبول کر کے پوری قوم کی اصلاح کے لئے راہ ہموار کرتے وہ اس اصلاحی دعوت کی مخالفت کے ذریعے زمین پر

مساد پر پا کرنے میں سرگرم تھے۔ دراصل اصلاح کا واحد راستہ اللہ کی بندگی اور اس کی اطاعت میں داخل ہونا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی کی دعوت دی ہے اس لئے اس دعوت کی مخالفت فساد فی الارض ہے۔ ان مفسدین نے اللہ کی فتح کھا کر آپس میں جھگڑا کیا کہ ہم صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں پر شیخون مار کر ان کو قتل کر دیں گے اور پھر ان کے وارثوں کو یہ کہہ کر یقین دلا دیں گے کہ ہم موقع و اوقات پر موجود نہیں تھے اس لئے ہمارا ان کے قتل سے کوئی تعلق نہیں۔ جب کوئی قوم رسول کے معاملے میں سرکشی کی اس حد تک بڑھ جاتی ہے تو سنت الہی کے مطابق وہ عذاب کی گزند میں آجاتی ہے چنانچہ ان کی یہ چال اللہ کی تدبیر کے مقابلے میں کامیاب نہ ہو سکی اللہ فرماتا ہے: **وَمَكْرُكُمْ وَاَمْكُرًا وَمَكْرُؤًا مَسْكُورًا** **وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مُكْرِمِهِمْ لَا اَنَادُكُمْ شُرَافِئُكُمْ وَتَوَاصِعُكُمْ** **اَجْمَعِيْن ۚ** ”اور وہ (ہمارے پیغمبر کے خلاف) ایک چال چلے اور ہم نے بھی ایک تدبیر کی اور ان کو خبر نہ ہوئی۔ پس ایک لو کہ ان کی چال کا انجام کیسا ہوا؟ ہم نے ان کو اور ان کی قوم سب کو ہلاک کر ڈالا“ (النمل: ۵۰-۵۱)

اس طرح قبل اس کے کہ وہ صالح علیہ السلام اور ان کی آل پر ہاتھ اٹھاتے، خود اللہ کی نشانی (اونٹنی) پر دست درازی کرنے کی وجہ سے اس کے عذاب کے پھر میں آگئے۔ کیونکہ یہ اونٹنی ان کے لئے ایک مسئلہ بنی ہوئی تھی لیکن وہ اس سے خوفزدہ ہونے کی وجہ سے ایک عرصہ تک اس کے آزادانہ چرنے پھرنے کو ایک سدن بلا شرکت غیر سے پانی پیئے کو باطل، خواستہ برداشت کرتے رہے بالآخر بڑے مشوروں اور سازشوں کے بعد ایک من چلے سر دار نے یہ ذمہ داری قبول کی وہ قوم کو اس بد سے نجات دلانے لگا۔ سورۃ الشمس میں اس شخص کا ذکر آیا ہے **اِذَا نَبُذَتْ اَشْقَاهُ** جب ان میں سے ایک نہایت بد بخت اٹھا ”سورۃ القمر میں فرمایا **فَنَادُوا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَرَ** انہوں نے اپنے رب کی کو پکارا اور اس نے اونٹنی کی پھر پھر اس کی کو بچیں کاٹ ڈالیں (آیت ۱۶) گویا اپنے دلوں میں اونٹنی کے خلاف جذبات رکھنے کے باوجود قوم کو جس کام کے کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی اس کے لئے انہوں نے اپنے ایک سرکش سردار سے مدد مانگی اور وہ قوم کی فواہش کو پورا کرنے اور قریب ہر دہشت کے لئے تہا یہ گھناؤنا فعل انجام دینے پر آمادہ ہو گیا۔ اس شقی القلب نے اونٹنی کی کو بچیں کاٹ کر اللہ کی اس نشان کو ختم کر ڈالا جس کا مطالبہ پوری قوم نے صالح علیہ السلام سے کیا تھا۔ اپنے زعم میں تو اس نے بڑی بہادری دکھائی اور قوم کے لئے بڑا ہی جرات مندانہ قدم اٹھایا لیکن اس کی یہ جہالت پوری قوم کو لے ڈوبی کیونکہ اول تو اس میں قوم کی مرضی پوری طرح شامل تھی اور پھر قوم نے اپنے جو امر و نہی کے اس فعل پر خیر اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے اللہ کے غضب کو مزید بھڑکانے کی کوشش کی اور صالح علیہ السلام سے عذاب کا مطالبہ کیا۔ سورۃ الاعراف میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ **فَرَايَا فَعَسَىٰ وَاللَّاتُفَ وَعَسَىٰ اَنْ يَّسُودَ بَنُوهُمْ** **وَقَالُوا لِيُصْلِحَ امْرُؤًا بِمَا تَعْدُوْنَا** **اِنْ كُنْتُمْ مِنَ الْمُسْرِعِيْنَ ۚ** ”پس انہوں نے اونٹنی کی کو بچیں کاٹ دیں اور اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح! اگر تم اللہ کے فرستادہ ہو تو وہ عذاب ہم پر سے آؤ تب ہم کو ڈراتے تھے (آیت ۱۷) یہ قوم کی طرف سے صالح علیہ السلام کی تکذیب کا گویا آخری اور حتمی اعلان تھا۔ اس کے بعد اگر ان کو مزید مہلت ملتی تو اب ان کا حملہ صالح علیہ السلام

ہی پر ہوتا۔ اس وجہ سے تیسرے دن ان پر عذاب آ گیا۔ چنانچہ جب اونٹنی کی کوئی کھانسی تو صالح علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اب اللہ کے عذاب کا انتظار کرو جو آیا ہی چاہتا ہے۔ تَمَسُّوْا فِیْ دَارِکُمْ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ ذٰلِکَ وَعِنْدَ غَیْمٍ مُّکْذُوْبٍ ۝ اپنے گھروں میں تین دن تک (مزید) مزے اٹھالو، یہ (اللہ کا) وعدہ ہے جو جھوٹا نہ ہوگا۔ (ہود: ۶۵) پھر صالح علیہ السلام نے قوم سے ندامت ہو کر پلٹنے سے پہلے ان سے یہ الدعائی کلمات کہے۔ یَقُوْمُ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسَالَتِ رَبِّیْ وَ لَقَدْ کُنْتُ لَکُمْ نَصِیْحًا ۝ کہ اے میری قوم! میں نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری غیر خواہی مگر تم (ایسے ہو کہ) غیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔ (الاعراف: ۷۹)

چنانچہ اللہ کے حکم اور وعدے کے مطابق تیسرے روز ان پر اللہ کا عذاب آ گیا اور یہ ظالم اور سرکش قوم اپنے انجام کو پہنچی۔ اللہ فرماتا ہے فَآخِذْ تَصْمُرَ الرَّجْفَةِ ۚ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جَثِمٰیْنِ ۝ پس ان کو تھر تھرا ہٹ یا بھونچال نے آپکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اونڈھے منہ پڑے رہ گئے۔ (الاعراف: ۷۸) قرآن میں بعض جگہ اس عذاب کے لئے صیغۃ کالفاظ استعمال ہوا ہے فرمایا

وَآخِذِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا الصَّیْحَةَ ۚ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جَثِمٰیْنِ ۝ کَانَ لَمْ یَغْتَوِ اَفْخَاطُ ۝ اور ظالموں کو ڈانٹ یا چیخنے آپکڑا تو وہ اپنے گھروں میں اونڈھے پڑے رہ گئے۔ گویا کبھی ان میں سے کسی نے نہ دیکھا تھا۔ (ہود: ۶۷)

اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ صَیْحَةً ۚ وَاحِدَةً ۚ فَكَانُوْا کَصَشِیْمٍ الْمُحْتَظِرِ ۝ ہم نے ان پر عذاب کے لئے (ایک چیخ بھیجی تو وہ ایسے ہو گئے جیسے بار دالے کی سوکھی اور ٹوٹی ہوئی بار، (جو ہوا بارش اور جالوزوں کے پاؤں سے ٹوٹ کر چورہ چورہ ہر جاتی ہے) القمر: ۲۱) اسی طرح قوم ثمود پر آنے والے عذاب کے لئے صَاعِقَاۃ اور طَائِفِیَّة کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں (القمر: الحاقۃ) جن کے معنی کرکٹ اور سخت زور کی آواز ہیں بہر حال یہ بڑی بڑی عمارات اور محلات بنانے والی اور پہاڑوں کو تراشنے والی قد آور قوم ایک آواز سے ایسی بے ہوش ہو کر گری ہے کہ پھر سر تک نہ اٹھا سکی ان کے عالی شان محلات پہاڑوں کو تراش تراش کر بنائے گئے مضبوط مکانات اور دیگر مادی وسائل اللہ کے عذاب کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آ سکے ان کے مقابلے میں صالح علیہ السلام اور ان کے اہل ایمان سا بھتیوں کو اللہ نے بچالیا فرمایا۔ فَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا نَجِیْنَا صَالِحًا وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ ۚ بِرَحْمَتِ رَبِّنَا ۝ پس جب ہم (اللہ کا) حکم آ گیا تو ہم نے صالح کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی بہرانی سے بچالیا۔ (ہود: ۶۶) اللہ تعالیٰ ایسی ظالم اور نافرمان قوموں کے انجام سے بچائے اور اپنے فرمانبردار اور صالح بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین!



اَفْيَيْتَ كُلَّ يَمَةٍ لَّا تَنْفَعُ

تحقیق و نظر ————— انیس الدین - کراچی

ربِّہ ذوالجلال نے نبی کریمؐ کو انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، ہر نبیؐ نے اپنی قوم کو الہ واحد کی بندگی کا سبق سکھایا اور بھٹکے ہوئی انسانیت کی اصلاح کے اس مشن اور دعوت پر دگام کا مرکز و محور الشہکبہ اللہ واحد لا الہ الاہو کے پیغام کو بنایا۔ قرآن کریم انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی یہ بتاتا ہے کہ وہ صرف اللہ واحد کی بندگی کی دعوت دیں اور غیر اللہ کے ساتھ بندگی کے متعلق و نظریہ کو صحیح نہ کریں۔ دراصل انسانی معاشرے کے عروج و کمال کا دار و مدار اسی نظریہ و ہدایت اور یوم آخرت کی جاہد ہی کے تعلق اور اس کو انفرادی و اجتماعی زندگی میں عمل طوے سے اختیار کر سنبھرتے، اس مقصد کو پالینے کے بعد دوسرے وقتی اور ہنگامی مسائل یا سانی حل ہو جاتے ہیں، اسی لیے مہربانی کی تمام سعی و جہد اسی مسئلہ پر موزر رہتی ہے کہ اللہ کے بندوں کا ایسا ہر قسم کے شرک کی آمیزش سے پاک ہو جائے، اللہ کو شائق و رائق ملنے والے اس کو حاجات پوری کرنے والا، مرادیں بر لاسنے، گیمڑی بنانے اور اولاد دینے والا سمجھیں۔ صرف اور صرف وہی تمام امیدوں کا سہارا ہو، اُسی پر بھروسہ ہو کہ توکل ہو اور اسی کے فیصلے اور مشیت پر دل مطمئن ہوں، اگر اُسے وقت میں، اس کو چھوڑ کر، کوئی دوسرا مافوق الہی

راستہ تلاش کیا جائے، کسی کھڑے اور پڑے بُت (پتھر و قبر) سے خوف و عقیدت کا تعلق نہ ہو اور ہر قسم کے شرک سے نفرت و بیزاری کا اظہار ہو۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اللہ کو اپنا رب مان کر ہر قسم کے شرک اور طاغوت پرستی سے اپنے ایمان کو یکسر پاک کر لیا تھا۔ ان کھڑے اور خالص ایمان کے حامل، ہمت و دروں نے میکس اور یک رنگ ہو کر صبر و ثبات کے ساتھ طاغوت کے پرستاروں کے ہاتھوں ایذا میں آہیں پھیرا ہجرت کے مرحلے سے گزرنے کے بعد سیب پلائی ہوئی دیوار بن کر میدان قتال میں ان کا مقابلہ کیا اور اس طرح اپنے رب سے کیئے ہوئے عہد کو پورا کر دکھایا۔ تب اللہ رب العالمین نے ان سے کیا ہوا وعدہ بھی پورا کر دیا اور دنیا و آخرت کی عزت و سر فرازی سے نوازا۔ کیا چشم فلک نے کبھی ایسا انقلاب دیکھا ہے کہ پست ترین قوم بے سرو سامانی اور قلت تعداد کے باوجود قلیل مدت میں اس وقت کی سب سے طاقتور مملکتوں، قیصر و کسریٰ کو زیر کر کے عالمی اقتدار کی مالک بن جائے اور کرۂ ارض پر بسنے والے ان کے خوف سے لرزہ برپا تمام ہوں؟

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام کے پیچھے فسادِ زندہ

عظیم المرتبت انسانوں کے عزت و وقار اور جاہ و شہرت کا یہ دور
تخلیل بھی لیکن بلاشبہ تاریخ انسانی کا یہ ایک زریں اور بیشمار
باب ہے یہ منصورہ الہی کی تکمیل اور اس کے پسندیدہ بندوں پر اسکی
نعمتوں کے اتمام، اللہ رب کریم کے وعدے "وانتم الا
عالمون ان كنتم صوابين" کی واضح شہادت اور
شیطان کے متبعین پرستارانِ طاغوت کی ذلت و رسوائی کا بین
ثبوت اور چشم بینا کے لیے عبرت آموز سبق ہے۔

لیکن نکتہ ہے اس بد نصیب انسان پر جس نے جلد ہی اپنے
ازلی دشمن کے آگے سپر انداز ہو کر اپنے خالق و مالک رب کریم اور جن و
رحیم ذات کے ساتھ غدر و بے وفائی اور طواغیت کے مکر و فریب کی
پذیرائی کی روش اختیار کر لی، پھر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے
ساتھ بے اعتنائی متنی جانے لگی، اللہ کو رب ماننے کے زبان و دھڑے
اور نبی علیہ السلام کی محبت کا دم پھرنے ہی کو آخرت کی کامیابی اور عذاب
سے نجات کا ذریعہ سمجھ جانے لگا۔ دنیا کی دلفریبی، لذت آفرینی اور
عیش و طرب کا مترالان اپنے مقصد حیات سے غافل ہو کر تفسیر
اعلیٰ کا شکار ہو گیا پھر دین فروش اجار و رہبان (مولویوں اور پیروں)
نے زہد و تقویٰ کا لبادہ اوڑھ کر دام ہر گز زمیں پھیلایا، کتاب اللہ اور
احادیث کے اصل دین، توحید و سنت کے حقیقی مفہوم پر کتمان کا پردہ ڈالی
کر اس کو ان یا طلل نظریات اور خیطانی توہمات و رسومات کا پرستار بنادیا
جو پہلے موجود تصاریف کی ذلت و مسکنت کا سبب بنے تھے آج اس
امت کے کام بھی وہی ہیں جو پہلے مشرکوں کے تھے بس نام بدلے ہوئے
ہیں۔

فرما رہا جاہلیت کے تم نظریات اور معتقدات کو اس امت
میں عام کیا گیا۔ ان میں تعمیرِ بد و گندھے، نیکی و گھوٹکھے، مکرٹے و چھٹے،
-مانت و دھانگے اور ٹونے و ٹوٹکے بھی شامل ہیں۔

اجار و رہبان نے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ لفظ
اسلام کا اضافہ کر کے ان کو عین اسلام قرار دے دیا اور شرعی تعویذ
کی اصطلاح ایجاد کر کے مذہب جاہلیت اور اسلام کے فرق و امتیاز
کو ختم کر دیا۔ "امت مسلمہ" کے افراد کی گردنوں اور بازوؤں کو دیکھ
جائیے مختلف انواع و اقسام کے تعویذ و گندھے لٹکے اور بندھے نظر
آئیں گے، کسی نے یا جبرائیل یا میکائیل دیکھے تعویذ کو ننگا یا ہے تو کسی
نے اسماء اللہ پر مشتمل کسی نے مشرکاد کلمات پر مبنی تعویذ پر استغناء
کیا ہے تو کوئی قرآنی آیات لکھ کر بنائے گئے تعویذ کے ذریعے مشکل آسان
کرانے پر مصر ہے کسی نے سمجھ میں نہ آنے والے کلمات پر مشتمل تعویذ
سے اس لگائی ہوئی ہے تو کسی نے اعداد و جادوئی مرکبوں کو نافع و حار
بنایا ہوا ہے۔ اسی طرح قرآن جو سرا سر منبع رشد و ہدایت ہے ایسا
عقیدے کی اصلاح اور تذکرہ و ترمیم کے لیے رب ذو الجلال نے نازل فرمایا
تھا اب چھوٹے سے نسخہ کی شکل میں لگے کی زینت بن کر تعویذ کا کام دے
رہا ہے اس کے علاوہ نیکی و گھوٹکھے، کالی ڈوری یا تانت نظر بد سے
محفوظ رکھنے کے لیے ہیں تو دھات سے بنی ہوئی پھیری و جاتو خاص طور
پر جنات سے بچاؤ کا سامان ہیں۔ کھائی میں کرنا اور کان میں چھپا بیادری
کا علاج بلکہ بیماری سے تدارک کا ذریعہ، غرض یہ سب تعویذ و گندھے
وغیرہ ان کے زعم میں ان کو آفات و امراض سے محفوظ رکھتے اور انکی
ہر حاجت و مراد کو پورا کرتے ہیں۔ بد نصیب انسان کے اس
خود ساختہ و پرداختہ مذہب کے بالکل برعکس کتاب اللہ اور سنت
رسول اللہ کی تعلیم یہ ہے کہ اللہ ہی اکیلا حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔
وہی سب کی ضروریات کو پورا کرنے والا اور خیر و برکت سے نوازنے والا
ہے۔ مرادیں برلانا، بگڑی بنانا اور اولاد دینا سب اس کا کام ہے۔
اس لیے قرآن و حدیث کی تعلیمات پر یقین کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے
علاوہ کسی اور سے فائدے اور نقصان کی امید نہ دالستہ کی جائے۔

صرف اللہ کی ذات پر توکل اور کھردھر کرنا جائز ہے۔ اس کی رضا اور خشیت پر مبارکشاگردا جائز ہے اور ہر قسم کے تعویذ و گندے، منکے و گھونگھے کرے و چھتے و تانت و دھانگے اور ٹوٹے و ٹوٹے کو شرک سمجھتے ہوئے ان سے نفرت و بیزاری کا اظہار کیا جائز ہے۔ اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات درج ذیل ہیں۔

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

تعویذات اور شرک

فرمایا۔
إِنَّ الشِّرْكَ وَالشِّمَاءَ

وَالِثَوَلَةَ شِرْكٌ

ابوداؤد ص ۵۳۵ عن عبد اللہ بن مسعود

مسند احمد جلد ۲ ص ۳۳۵ عن عبد اللہ بن مسعود

مرزوعا بن ماجہ ص ۲۲۵ عن عبد اللہ بن مسعود

مرزوعا السنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۲۵۲ عن

عبد اللہ بن مسعود مرزوعا المستدرک جلد ۲

ص ۲۱۲ وصحیح الحاکم ووافقه الذہبی

ترجمہ دوم و تعویذات اور تولہ شرک ہیں۔

(ابوداؤد سنن احمد ابن ماجہ السنن الکبریٰ اور مستدرک)

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ

مسند احمد جلد ۲ ص ۳۳۵ وصحیح الآلبانی

الاحادیث الصحیحہ حدیث نمبر ۹۲۴۱ قال الحیثمی رواہ احمد

والبیہقی ورجال احمد ثقات مجمع الزوائد الجز نمبر ۱ ص ۱۳۲

الفتح الربانی الجز نمبر ۱ ص ۱۸۸۔

ترجمہ :- جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔

(مسند احمد مستدرک الحاکم)

۳۔ ایک اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعویذ لٹکانے

کو (حق و ناحق) سے بے پرواہی کی علامت بتایا ہے

”مَا أْبَالِي مَا أُتِيَكَ إِنْ أُنَاشِرْتِ تَوْبِيحًا

أَوْ تَعَلَّقَتْ تَمِيمَةً، أَوْ قُلْتَ الشَّعْرَ مِنْ قَبْلِ نَفْسِي

مسند احمد جلد ۲ ص ۳۳۵ عن عبد اللہ

بن عمرو مرزوعا اسناد صحیح المسند جز ۱ ص ۱۲

ص ۳۵۲ حدیث نمبر ۷۰۸۱ شرح: احمد و شاکر

ابوداؤد ص ۵۳۵ المصنف لابن ابی شیبہ

جلد ۱ ص ۷۸

ترجمہ :- ”میں (حق و ناحق) سے بے پرواہ ہو گیا اگر تریاق استعمال

کروں تعویذ لٹکائوں یا شاعری کروں۔“

(مسند احمد ابوداؤد مصنف ابن ابی شیبہ)

تمام جمیع ہے تميمہ کی تميمہ کے معنی ”عذوة“ یعنی

تعویذ اور وہ چیز جو بطور تعویذ کیلئے استعمال کی جائے۔

التام

ملاحظہ ہو۔

۱۔ احمد بن فارس اللغوی المتوفی ۳۹۵ھ مجمل اللغة میں لکھتے

ہیں۔

والتميمية: عذوة تتعلق على الانسان وفي

الحديث ”مَنْ عَلَّقَ تَمِيمَةً فَلَا أَكْرَهَ اللَّهُ لَهُ“

ترجمہ :- اور تميمہ کے معنی تعویذ کے ہیں جو کہ انسان کے لٹکایا

جاتا ہے اور حدیث میں ہے کہ جس نے تعویذ لٹکایا اللہ اس کی مراد

بدی نہ کرے۔“

(مجمل اللغة جلد ۲ ص ۱۲۵ ابن فارس اللغوی)

۲۔ ابوبکر محمد بن الحسن بن درید المتوفی ۲۲۲ھ المتوفی ۲۲۱ھ

الاشتقاق میں لکھتے ہیں۔

والتمیمة: المعاذة تعلق على الإنسان
الاشتقاق ص ۲۰۱ لابن دريد محیط المحيط

ص ۱۶۳ المحکم بطرس البتانی
ترجمہ:- اور تمیمة کے معنی تعوید کے ہیں جو کہ انسان کے
لٹکایا جاتا ہے (الاشتقاق، محیط المحيط)

۲- اسماعیل بن حماد الجوهري "الصحاح" میں لکھتے ہیں۔
والتمیمة: "عوذة تعلق على الإنسان"
الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية الجوهري
ص ۱۹۷ الجوهري۔

فتح الرحمن ص ۹۳ محمد بن ابی بکر بن
عبد القادر الرازي مجمع البحرين ص ۲۲
الشيخ فخر الدين الطبري اقرب الموارد
سعيد الخوري الشرتوني اللبناني
لسان العرب جلد نمبر ۱۲ ص ۶۹

ابن منظور الافرنجي المصري
ترجمہ:- اور تمیمة کے معنی تعوید کے ہیں جو کہ انسان کے لٹکایا
جاتا ہے۔ (الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، فتح الرحمن
مجمع البحرين، اقرب الموارد اور لسان العرب)
۳- شيخ الفاضل عبد الرحيم بن عبد الكريم منتقى الارب
میں لکھتے ہیں۔

تمیمة: "توید مہرہ پیسہ کہ در رشتہ کردہ در گردن اندازند
برائے دفع چشم بد"

منتقى الارب جلد اول ص ۱۳۸ عبد الرحيم
الفاضل

ترجمہ:- تمیمة، تعوید، مہرہ و پیسہ ہے جو کہ ڈور سے میں

منک کر کے گردن میں لٹکاتے ہیں نظر بد سے بچنے کے لیے۔
(منتقى الارب)

۵- ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشري المتوفى ۵۳۸ھ
"اساس البلاغة" میں لکھتے ہیں۔

"وتعلق عوذة ومعاذة وهي التمیمة"

اساس البلاغة ص ۳۱۶ ابوالقاسم الزمخشري
ترجمہ:- تعوید اور بطور تعوید کے جو شے لٹکائی جائے وہ
تمیمة ہے۔ (اساس البلاغة)

پس واضح ہوا کہ تمیمة (عوذة) یعنی تعوید وہ
چیز ہے جو تعوذ کے لئے استعمال کی جائے، بالوذ و برب شاعر
کا یہ شعر بھی اسی کی وضاحت کرتا ہے۔

واذا المنيمة انشبت اظفارها
ألفت كل تمیمة لا تنزع
ترجمہ:- اور جب موت اپنے پنجے کاڑھے گی تو
گویا سنے گا ہر ایک قسم کے تعوید کو بے فائدہ

اس تمام وضاحت کے باوجود بعض کا امر ہے کہ

"وأما المعاذات إذا كتبت، فيجاء القرآن

وأسماء الله فلا بأس بها" (لیکن جب تعویذات

قرآن اور اسماء الہی لکھ کر بنائے گئے ہوں تو انہیں لٹکانے میں کوئی

حرج نہیں ہے) مگر ان کے اس امر اور دعوے کے برعکس احادیث

میں تعویذات لٹکانے پر مبنی عام وارد ہے پس اس عام کو خاص اور

مطلق کو مقید کرنا فنی دیندار ہی کا حق ضرور ہے مگر دین داری نہیں۔

احادیث میں وارد تعویذات لٹکانے کی عام مبنی کو غیر قرآنی تعویذات

کے ساتھ مخصوص و مقید کرنا شریعت کے تمام و اکمال کی حقیقت

کو جھٹلاتا ہے۔ احمد شاہ رحمہ اللہ نظر از میں۔

”والتحقیق فی الاحادیث عام، فلما وجد
لتخصیصه بیضین تمام القرآن، ولو كان ذلك
جائزاً لورد عن الشناخ كما ورد في الاذن بامرتی
المخصوصة“

کتاب التوحید بتعلیق احمد شاکر ص ۱۹

ترجمہ :- اور احادیث میں (تعویذات) کی بھی عام ہے باری
اس کو غیر قرآنی تعویذات کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں
اور اگر وہ (قرآنی تعویذ) جائز ہوتا تو یقیناً ”نہی“ سے اس کی اجازت
وارد ہوتی جیسا کہ (ذم کی بھی کے ساتھ ساتھ) مخصوص ذم کی اجازت
وارد ہے۔

کتاب التوحید بتعلیق احمد شاکر

مزید برآں دوسری حدیث میں ہر قسم کے تعویذ و گندے
ہنکے دگھونگھے آمانت و دھماکے ٹھکانے کی بھی اس طرح آئی ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

”مَنْ قَعَّ شَيْئاً دَكَاةً أَوْ كِلَاباً

لَسَانُ جِلْدِهِ“ ۱۶۵ عن ابی ہریرہ مرفوعاً

ترمذی جلد ۲ ص ۲۹۱ عن عبد اللہ بن عکیم مرفوعاً

مسند احمد جلد ۳ ص ۳۳۳ عن عبد اللہ بن عکیم مرفوعاً

المتدرک جلد ۳ ص ۲۱۰ عن عبد اللہ بن عکیم مرفوعاً

السنن الکبریٰ جلد ۹ ص ۳۵۵ عن عبد اللہ بن عکیم مرفوعاً

ترجمہ :- جس نے کوئی چیز دکان کی تودہ اسی کے حوالے کر دیا جائے گا

(نسائی، ترمذی، مسند احمد، المتدرک، السنن الکبریٰ)

چنانچہ تعویذات کے جواز کے لیے جو عذر اور تاویلات

کی جاتی ہیں وہ عذر ہائے لنگ اور تاویلات محض ہیں جن کا حقیقت

سے کوئی تعلق نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان کے متبعین پر سلطان

طاغوت نے زہد و تعویذ کا بادل اڑھ کر اجارہ و رہبان کی شکل میں
دین داری کے عنوان سے دکانداری کا بازار گرم کیا اور نہ صرف
لوگوں کو اصل دین، کتاب و سنت سے نابلد رکھا بلکہ اس کے اور
لوگوں کے درمیان آڑیں لگے۔ بنا بریں یہ کیسے ممکن ہے کہ تعویذ
گندے کے جن کا دیا کو دنیاوی مشاغل و اغراض کے حصول کی خاطر
انھوں نے فروغ دیا اس کے تار پر دیکھ کر صحابہؓ یا اس کی بیج کنی کی
جائے اور یہ خاموش رہیں۔ اپنی اس دکانداری کی حفاظت کی خاطر
فنی وینداری کا مظاہرہ کبھی عذر اور کبھی تاویلات سے کرتے ہیں
اور اسی پر بسا نہیں کرتے بلکہ اس سلسلے میں صحابہ کرام رضوان اللہ
عہم کا اختلاف بتاتے ہیں اور جواز کے لیے بعض صحابہ (عبد اللہ بن عمرو
بن عوف) خطابؓ اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا نام پیش کرتے
ہیں۔

مندرجہ ذیل سطور میں انکی اس فریب کا پردہ چاک کیا گیا۔

عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ

روایت ہے جو اس طرح ہے۔

ترجمہ :- عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈر جانے والوں کے لیے یہ دعا سکھاتے: ”اعوذ

بکلمات اللہ الثامۃ من غفیبہ و شر عبادہ و

من همزات الشیاطین“ (راوی کا بیان ہے کہ عبد اللہ

بن عمروؓ اپنے سمجھ والے بچوں کو یہ دعا یاد کروا لے تھے اور نا سمجھ

بچوں کے گلے میں لٹک کر دیا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۷۱)

یہ سربراہ روایت میں اپنے طرز کی منقر و اور ایک ہی روایت

ہے جو کہ شدید ترین ضعیف ہے بلکہ منکر و موصوح روایت ہے

فخللت کتب حدیث میں ”عن محمد بن اسحاق عن عمرو بن شعیب عن

ابیہ عن جہدہ کے طریقے سے مروی ہے اس روایت کے دو مرکزی راویوں کا حال ملاحظہ ہو۔

(الف محمد بن اسحاق بن یسار) یہ مشہور و معروف مدائس ہیں اور مدائس

کی "عن" کے ذریعہ مروی روایت ناقابل قبول ہے۔ زیر بحث روایت اسی ضعف کا شکار ہے۔ الذہبی بھی کہتے ہیں کہ "ما انفرد بہ ذکرہ" یعنی محمد بن اسحاق کی منفرد روایت منکر ہوئی ہے یہی نہیں بلکہ ملاحظہ ہو۔ امام مالک فرماتے ہیں "وہ جالول میں سے ایک و جال ہے" (تہذیب جلد ۱ ص ۱۸۱ میزان جلد ۲ ص ۲۱)

سیدنا تمیمی کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ یحییٰ قطان کہتے ہیں کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۱)۔ دہیب بن خالد اس کو کاذب کہتے ہیں (تہذیب جلد ۱ ص ۲۵)۔ جرید بن عبد الحمید کا بیان ہے کہ میرا خیال نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک زندہ رہوں گا جب لوگ محمد بن اسحاق سے حدیث کی ساخت کریں گے۔ (تہذیب جلد ۲ ص ۳۱۶)

(ب) عمرو بن شعیب ابن حجر کہتے ہیں کہ انہوں نے "عن ابیہ عن جہدہ" کے طریقے سے کچھ بھی نہیں سنا وہ کتاب سے نقل کر کے محض تدلیس سے کام لیتے ہیں (طبقات المدائس ص ۱۱)

ابوزرعہ کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب "نے اپنے باپ سے صرف چند روایتیں سنی ہیں لیکن وہ باپ اور دادا سے منسوب کر کے تمام غیر مسموع روایتیں بے تمایا بیان کرتے ہیں" (میزان جلد ۲ ص ۲۸۹)۔ بلکہ زیر بحث روایت "عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جہدہ" کے طریقے سے مروی ہے ابو داؤد کہتے ہیں کہ "عمرو بن شعیب عن ابیہ

عن جہدہ یعنی مجتہد، یعنی عمرو بن شعیب کی روایت اپنے باپ سے اور انکی اپنے دادا سے حجت نہیں ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ وہ آدمی حجت بھی نہیں ہے۔ یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب ہمارے نزدیک واصل ہے۔

احمد کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب کی روایت حجت نہیں ہے (تہذیب جلد ۱ ص ۳۱۶)

اسی ساقط الاعتبار سند سے آنے والی روایت کی بنا پر عبد اللہ بن عمرو سے تعویذ لگانے کے جواز کو منسوب کرنا صریح ظلم ہے جب کہ اس کے برخلاف صحیح روایت کے مطابق "عبد اللہ بن عمرو" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعویذ لگانے کی ہنسی اور برائی میں حدیث روایت کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔

"عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سمعت رسول اللہ علیہ وسلم یقول ما ابائی ما اتیت ان انا مشربت تریاقاً او تحلقت تیممہ او قلت الشعر من قبل نفسي"

مسند احمد جلد نمبر ۲ ص ۲۲۲ اسنادہ صحیح المسند حدیث نمبر ۸۰۸۱، الجزء ۱۲ ص ۳۵-۳۴ شرح احمد محمد شاہ ابوداؤد ص ۵۴۔

ترجمہ:- عبد اللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میں (حق و ناحق) سے بے پرواہ ہو گیا اگر تریاق استعمال کروں، تعویذ لگاؤں یا شاعری کروں۔ (مسند احمد، ابوداؤد)

اب یہ کیسے ممکن ہے کہ عبد اللہ بن عمرو جس چیز کی برائی میں بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کریں، خود اس میں مبتلا ہوں۔

کے دیکھانے کے جواز کا ہے۔ جبکہ دلیل میں ایسا قول پیش کیا جا رہا ہے جس میں محض "تمییز" کی تعریف بیان ہوئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو اللہ جل و ات جان کر ہر قسم کے شرک سے نفرت اور نیرای کا اظہار کیا اور اسی کے فیصلے و مشیت پر راضی ہوئے اور اسی پر بھروسہ توکل و پھر دوسرے کی اور عیوہ گنہ گار کے شرک یا افعال سے وہ کس قدر رنج و تھکے اس پر درج ذیل روایات گواہ ہیں۔

۱۔ عبد اللہ ابن مسعود رضی عنہ عن زینب امراة

مسعود: ان عبد اللہ را می بین عشق خیطا فقال: ما هذا؟ فقلت: خیط رقی فیہ ا قالت: فأخذہ فقتلہ ثم قال: أنتم آل عبد اللہ لا غنیاء عن الشرب! سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: إذا الرقی والتعائم والشکاة شرک! فقلت: لکم تقول هكذا! لقد کانت عینی تقذف! فکت أختلف إلی فلان الیہودی فإذا رقاها سکت! فقال عبد اللہ: إنما ذلک عمل الشیطان! کان ینفخهما بیدہ! فأذا رقی کف عنتہا! إنما کان یکلفیک أن تقول: کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: أذهب البأس رب الناس! واشف أنت الشافی لا شفاء إلا شفاؤک! شفاء لا یعود و سقما

ترجمہ:۔ عبد اللہ بن مسعود کی زوجہ زینب سے روایت ہے کہ عبد اللہ نے میری گردن میں ایک دھاگہ دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے میں نے کہا یہ دھاگہ ہے جس پر میرے لیے دم کیا گیا ہے۔ یہ کس

۲۔ عمر بن خطاب نے آپ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ آپ نے ایک پرزہ پر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھ کر ایک صاحب کو دیا تھا کہ ٹوپی میں لٹکایا کریں تو سر کا درد دور ہو جائے گا اس کے علاوہ آپ سے منسوب ایک قصہ دینا نے نبیل کے متعلق بھی بیان کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ وضعی باتیں اور محض افسانے ہیں۔ تعویذات کے جواز کے لیے اس سے استدلال عقل خود سے بیگانگی اجہالت اور فریب کاری کا ثبوت ہے۔

۳۔ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو منسوب کہنا صریح علم

اور بڑی جہالت ہے۔ سرایہ حدیث میں ایک بھی صحیح روایت ایسی موجود نہیں ہے بلکہ آپ تو شرک کی تمام صورتوں و شکلوں سے بے نیما بیزار تھیں۔ مکتب روایت میں ساقط الا اعتبار سند سے مروی عائشہ سے منسوب اس قول (لیست التیمۃ ما تعلق بہ بعد البلاء) اندام تیمۃ ما تعلق بہ قبل البلاء (یعنی جو چیز بیماری کے نزول کے بعد لٹکانی جائے وہ تیمۃ نہیں ہے بلکہ تیمۃ تو وہ ہے جو بیماری آنے سے قبل لٹکایا جائے) سے بھی استدلال درست نہیں۔ کیونکہ یہ منہ غیر ثابت اور قنا منکر ہے عجیب بات یہ ہے کہ تعویذات کے جواز کے لیے اس سے استدلال کرنے والے ہی "تہائم" کے معنی خیزات کرتے ہیں کہ خیزات کا لٹکانا بطلان حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم شرک ہے۔ بعض مرفہ مشرکانہ کلمات کے ساتھ اس کو خصوص کر کے ہیں جبکہ پیش کردہ قول تو خیزات اور مشرکانہ کلمات ہیں مبنی تعویذات کو نزدیک لڑا کے بعد لٹکانے کو "تہائم" کی تعریف ہی سے خارج کر دیتا ہے۔ اور قرآنی تعویذ "اور شرکی تعویذ" کو نزول بلا سے قبل لٹکانے پر تہائم کی تعریف میں شامل اور شرک محض قرار دیتا ہے۔ مگر نہ تماشہ تو یہ ہے کہ دعویٰ تو عائشہ سے تعویذات

کراہوں کو پکڑا اور توڑ ڈالا پھر فرمایا تم آل عبد اللہ شرک سے بے نیاز ہو! میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ دم، تعویذات اور تولد (گنڈہ) شرک ہے پس میں نے کہا کہ آپ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ جبکہ میری آنکھ درد کے سبب نکلی پڑی تھی اور میں فلاں یہودی کے پاس جایا کرتی۔ توجیب وہ دم کرتا تو ہمکھ آرام پاتی۔ عبد اللہؓ نے کہا یہ شیطانی عمل ہے۔ وہ ہاتھ سے آنکھ کو دباتا تھا پس جب دم پڑھا جاتا تو وہ دبانا چھوڑ دیتا تھا تم کو تو یہ کافی تھا کہ (وہ کلمات) کہتیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ۔

(اے لوگوں کے پروردگار! بیماری کو دور کر دے اور شفا عطا فرما کہ بے شک تو ہی شفا دینے والا ہے اور تیری شفا کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ ایسی شفا عطا فرما جو بیماری کو دھچھوڑے)

(ابوداؤد ص ۵۳۲، مسند احمد جلد ۱ ص ۳۸۱، ابن ماجہ ص ۳۸۱)
عبد اللہ ابن حکیمؓ | عَنْ عَبْدِ بْنِ حُمَزَةَ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَكِيمٍ وَبِهِ حُمَزَةٌ فَقُلْتُ لَا تَعْلِقُ تَبِيْعَةً فَقَالَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعْلَقَ شَيْئًا ذَكَلَ اِلَيْهِه
 ترجمہ: عیسیٰ بن حمزہ فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن حکیم کے پاس عیادت کے لیے گیا وہ سرخ بادہ کی بیماری میں مبتلا تھے میں نے کہا آپ کوئی تعویذ کیوں نہیں لٹکاتے یہ سن کر انہوں نے کہا تعویذ سے اللہ کی بناہ نبی صلعم نے فرمایا جس نے کوئی بھی چیز لٹکائی تو وہ اسی چیز کے پیر ہو کر دیا جائے گا۔

(مسند احمد، ترمذی جلد ۱ ص ۲۷۷ مشکوٰۃ ص ۳۸۹۔ المستدرک جلد ۳ ص ۲۱۹)

عن عقبہ بن عامر قال | **عقبہ بن عامرؓ** | موضع التمیمۃ من الانسان والطفل شربہ

(المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۸ ص ۱۵۱)
 ترجمہ: عقبہ بن عامر فرماتے ہیں لوگوں اور بچوں کے تعویذ باندھنا و لٹکانا شرک ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)
 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعویذ و گنڈہ سے جیسے شرک کے مظاہر سے اس قدر نفرت کیوں نہ ہوتی جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شرکیہ چیزوں کو جانوروں کے جسموں تک سے کٹوا کر انک کر دیا۔

"عن ابی بشیر الانصاری عنی انک کان مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض اسفادہ فاذنل مسؤلاً ان لا یبغی من فی ساقیة یبغی قلابہ من قلابہ او قلابہ الا اقطعہ" (رواہ بخاری و مسلم)
 ترجمہ: ابوبشیر انصاری روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ نبی صلعم نے ایک منادی کو نئے والے کو بھیجا جو یہ اعلان کر رہا تھا کہ کسی اونٹ کی گردن میں تانت کا پٹہ ہو یا کسی اور چیز کا تو اس کو کاٹ ڈالا جائے ہرگز باقی نہ چھوڑا جائے۔ (بخاری و مسلم)
 اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کے احترام و اتباع کی توفیق عطا فرمائے (آمین)



ثابت کرنے میں صرف کر دیں کہ کسی نہ کسی طرح اپنے نبی کو نہ صرف قبر میں زندہ ثابت کر کے دینِ قبور کے آداب و لوازمات کا عققل کیا جائے بلکہ نبی کو ہر مقام پر حاضر اور ناظر ہونے کا پرچار بھی کیا جائے تاکہ اپنے من پسند اولیاء کو بھی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے حاضر و ناظر ہونے کے حجاز کو مضبوط سہارا ملتا رہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برحق صحت پر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں اپنا اہل فیصلہ بنا دیا ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَ اَلْقَدَحُ صَبِيحَتُكَ (الزمر - ۳۰) اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے یقیناً مرنا ہے اور یہ بھی یقیناً مرنے والے ہیں اور قیامت سے پہلے تو کسی بھی مردے کا قبر سے اٹھ بیٹھنا ناممکن ہے کیونکہ اللہ نے فیصلہ بنا دیا ہے - ثُمَّ اَنزَلَكُمْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْبُدُون - (سورۃ المؤمنون - ۱۶) یہی بات مردے سن سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس باطل عقیدے کی تردید بھی قرآن ہی میں کر دی ہے - فَاَنذَرْتُكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتِ اِنَّهُ اَرْسَلَهُ (۵۲) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے یہی بات سورۃ النحل کی آیت نمبر ۱۰ میں دہرائی گئی ہے سورۃ فاطر کی آیت ۲۲ میں کھول کر بتایا گیا ہے وَ مَا اَنْتَ بِمَسْمُوعٍ مَنْ فِي الصُّبُور سے نبی آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں قرآن کی ان صریح نصوص کے خلاف من مانی تاویلات کر کے ان کے حق میں باطل لکھ لکھ کر اگر دنیا کے تمام کتب خانے بھر دیے جائیں تو بھی قرآن کی صرف ایک جہا آیت کے مقابلے میں یہ باطل کا طوفان ہو گا اور تمام عالم اسلام کے علماء بھی کیوں نہ قرآن کی من چاہی تاویل کرنے کا اتحاد کر لیں تو یہ اتحاد باطل متصور ہو گا قبر خواہ نبی کی ہو یا ولی کی بنید کی ہو یا کسی مرد صالح کی اگر اس کے گرد عبادت کا تانا بانا بن جائے تو یہی دشمنِ ضمیر اور بت ہو جائے گی لہذا امت کی کثیر آباد کو شخصیت پرستی اور قبور پرستی کی لعنت سے نکال کر خالص

اللہ اور رسول کے فرمودات کی روشنی میں زندگی بسر کرنے کے ڈھنگ کی طرف لے آنے کی سعی ہر مسلمان پر فرض ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں کو ملعون قرار دیا ہے جو قبروں کی زیارت کرتی ہیں اور ان لوگوں کو بھی ملعون قرار دیا جو قبروں میں مسجدیں بناتے اور قبروں پر چراغاں کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت والے خطبات میں سے ایک میں یہ بھی فرمایا کہ لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر اللہ کی جھڑپوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مسجد گاہ بنالیا یہ حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ لوگوں کو دینِ قبر سے ہٹانے کے لئے ضروری ہے کہ قبر میں مردے کو مردہ ہی کہا اور مانا جائے۔ اگرچہ اس کی حقیقت کو منوالیا جائے تو نظامِ خانقاہی کا تمام طلسم ہو تر باٹوٹ جائے گا۔ قبروں پر مجلس اور میلے کم ہوتے ہوتے ختم ہو جائیں گے۔ غیر اللہ کی تزدنیاز چادرول، چڑھا دول اور دیگ دیگیوں کا غیر اسلامی نظام درجہ برہم ہو جائے گا۔ تن آسانی سے شکم پر دسی کے وسائل پر ضرب پڑے گی اور جب لوگوں کو یقین ہو جائے گا کہ جن کو ہم میت قرار دے کر ان کی نماز جنازہ ادا کر کے قبروں میں دفن کرتے ہیں وہ کچھ مچ کے مردہ ہیں اور از روئے قرآن قیامت سے پہلے نہیں اٹھیں گے، تو پھر کون عقل کا اندھا ہو گا جو ہڈیوں کے ڈھانچوں کو نذر نیاز پیش کرنے شہرِ خوشال کا رخ کرے گا۔ جو لوگ اپنی زندگی میں مشکل کشا، حاجت روا، قاتل، کسٹیکر اور غوث (فریاد رس) نہیں تھے تو مرنے کے بعد ان میں یہ صفات کیسے پیدا ہو سکتی ہیں؟ ہمارا مردہ مرنے کے بعد اگر اس قدر منافع بخش زندہ بن جاتا ہے تو اسے کفناؤں کا سپرد خاک کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی پٹری حلاوتِ ایمان کے ساتھ کہا جاتا ہے کفناں صاحبِ خالق حقیقی

سے جاملے کیا خالص حقیقی کا بیراقبریں ہیں؟ (نقد و یا اثر)
 سے کنوئیں میں توڑنے نصف کو جو دیکھا بھی ترکیا دیکھا
 اور سے ظالم جو مطلق تھا حقیت کو دیا توڑنے

بخاری کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں
 شہداء کے مقام جنت الفردوس سے بھی اعلیٰ و افضل مقام
 (اسید) میں زندہ ہیں یعنی مدینہ والی قبر میں نہیں۔ حدیث کے
 مطابق شہداء کی ریحیں جنت میں سبز کرنے والے قابول میں ہیں
 قرآن و حدیث نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ ہر مرتے والا برزخ میں
 نئے اور قیامت تک باقی رہنے والے جسم کے ساتھ زندہ ہے اور
 اپنی حیثیت کے مطابق اکرام یا تحلیف کا اور گزار رہا ہے یہی اسکی
 قربت اور آہیں اسے عذاب بھی دیا جاتا ہے۔ یہیں عذاب قبر برحق
 ہے زمین والی قبر میں مردے کو زندہ بلکہ سمیع اور بصیر اور کرائے کے
 نئے بے حد ضروری ہے کہ پہلے اپنے نبی کو مدینہ کی قبر میں زندہ ثابت کیا
 جائے جن کے بارے میں قرآن موت کا اٹل فیصلہ مناجح کا ہے نبی کو اللہ
 کی طرح حاضر ناظر سمیع اور بصیر ثابت کرنے کے لئے قرآن کے خلاف
 ایڑی چرٹی کا زور لگا دیا گیا کیونکہ یہی وہ کوشش ہے جو مقصود مومنان
 دین قہر ہے جس کو چاہو قبر میں زندگی عطا کرو اور اس کے گڑ اسلامی
 دیو مالا (MYTHOLOGY) کا نام بامائیں ڈالو۔ لیجئے یہ نوگز سے
 بیر کی قبر ہے۔ یہ جی زندہ پیر۔ یہ بابا جی ہیں۔ یہ غوث صاحب ہیں
 بہاؤ دھول اور جگہ متاثران قبر میں لے کر کوئی حیرت کھڑی نہیں بہت نامیر
 میں یہ صاحب اولاد عطا کرنے میں اجنا اب نہیں رکھتے۔ یہ حضرت
 بارہ سال پہلے دیبا میں غرق ہو کر مر جانے والوں کے رات اکٹھے
 کر کے گن کے خیمہ بنا کر ان میں روح ڈال کر زندہ کر دیتے ہیں انکشی
 سمیت تدار سے لگا پہنچاتے ہیں۔ اللہ لاکھ کہے میں زندگی دیتا
 ہوں میں موت دیتا ہوں۔ لیکن تدار سے حضرت جی بھی خدا سے کم

ہیں کیا۔ اسی لئے تو تصوف کا مشہور دلاک یہ ہے کہ
 "حکایت نبوت سے ادب کا مقام ہے"۔ گویا یہ کنوئیں
 سے ادب اور حقیقت کا مقام اتنا ہے شاید ہی وجہ ہے تصوف کے
 شرح محی الدین ابن عربی اندلسی نے اپنی مشہور کتاب فصوص الحکم
 میں لکھا ہے "میں اللہ کی بندگی کرتا ہوں اور اللہ میری بندگی کرتا
 ہے" اس کتاب کے بارے میں علامہ اقبال نے اپنے ایک خط
 میں لکھا ہے "جہاں تک مجھے علم ہے فصوص الحکم میں سوائے الحاد
 اور زندہ کے اور کچھ نہیں" (اقبال نامہ جلد ۱ ص ۴۴) اسی طرح
 صوفیاء کی کبھی ہوئی اکثر کتابوں میں جو دین پیش کیا گیا ہے وہ دین
 اسلام نہیں، دین تصوف ہے جو نہ قرآن میں کہیں ملتا ہے نہ
 حدیث میں۔ وہ اس کا نشان ملتا ہے نہ جواز بلکہ دلچسپ بات یہ ہے
 کہ جس طرح ماہرین معاشیات و اقتصادیات آج تک زندگی ترفیع
 پر متغنی نہ ہو سکے اسی طرح تصوف کی ترفیع میں بھی اتفاق نہیں
 ہے اور اگر ہم اپنی تحقیق کو ابن عربی سے پیچھے لے جائیں تو ہمیں یونانی
 فلسفے اور یونانی شرف کے منظرین اور صوفیاء کی اسیے میں
 میں زینوفانیس (XENOPHANES) - ۵۹۰ - ۵۴۰ قبل مسیح کا...
 یونانی شاعر اور فلسفہ وحدت الوجود کے نظریے کا بانی زیادہ مشہور ہے
 اسلام کی حقیقت کے بارے میں تصوف باطل محض ہے اگر اسلام
 میں تصوف ہوتا تو صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین میں سے کوئی کھوئی
 کہلاتا اسی تصوف نے اسلام میں ماہ پاک دین کوئی الفرد و مکرول
 میں کاٹ ڈالا۔ شریعت اور طریقت۔ یعنی ظاہری اسلام اور باطنی
 اسلام پھر دین حق میں ہر شے کے کڑے کئے جانے لگے یہاں تک
 کہ بدعت بھی دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک بدعت حقہ (اچھی بدعت)
 اور ایک بدعت سبہ یعنی بری بدعت۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ
 جلنے اچھی شراب اور بری شراب... الخضر اس تصوف اور تفسیر دلیا

نے نہ صرف اللہ کی وحدت کے ٹکڑے کئے بلکہ رسالت کو بھی تقسیم کر دیا۔
قرآن کو مشکوک قرار دیا۔ اس طرح ایک اللہ، ایک رسول، ایک قرآن،
ایک حرم اور ایک اُمت کا زندہ مجاہدہ نظریہ خواب پریشانی بن کر رہ
گیا۔

تصوف کی طرح ولایت بھی غیر قرآنی اصطلاح ہے ذوقِ قربت
کی طرح کوئی منصب ہے اور نہ ہی اولیاء کا کوئی مخصوص گروہ ہے
جس میں علومِ شریعت نہ ہو سکیں نہ ہی کوئی اس گروہ کا کوئی مخصوص لباس
یا واضح قطع ہے۔ ولایت اور ولایتِ دعا لگ الگ الفاظ ہیں۔ زیر
کے ساتھ ولایت کے معنی ہیں کار سازی، نصرت، حکومت، رفاقت
اقتدار اور غیر۔ ولی اور والی اسی سے ہیں۔ زیر کے ساتھ ولایت
کے معنی ہیں ملک۔ یہ لفظ قرآن میں کہیں بھی آیا البتہ زیر کے ساتھ
دو مقامات پر آیا ہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ الکہف آیت ۷۲ اور آیت
۴۴۔ لوگوں نے غیر اللہ کو کن کن معانی میں ولی اور اولیاء بنایا۔ قرآن
کے مطابق سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے یعنی جس کے کچھ پر
آدمی چلے جس کی ہدایت پر مل کرے جس کے مقرر کئے ہوئے طریقوں
میں قواعد قوانین اور ضابطوں کی پیروی کرے جس کی راہنمائی پر
اتحاد کرے ادیہ سمجھے کہ وہ صحیح راستہ بتانے والا اور غلطی سے بچانے
والا ہے جس کے بارے میں آدمی یہ سمجھے کہ میں دنیا میں خواہ کچھ بھی
کرنا ہوں وہ مجھے اس کے برے نتائج اور آخرت کے عذاب سے
بچائے گا اور جس کے بارے میں آدمی یہ سمجھے کہ وہ دنیا میں مافوق
الطبی طریقوں سے اس کی مدد کرتا ہے۔ آفات و مصائب سے
اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اسے دفع گار دلاتا ہے، اولاد دیتا ہے
بیماریوں کو دفع کرتا ہے، بیماریاں بر لاتا ہے اور ہر طرح کی حاجات
پوری کرتا ہے۔

المیہ یہ ہے کہ عوام ردِ راستی اور اندھ بھی تعلیم کے قائل

ہیں اور علماء و محققین و جستجو کی مشقت سے کئی کتراتے چھٹے فضل
اور دراز کار بشمول میں الحججہ کر ایک دوسرے پر کفر کے فتوے صادر کرتے
میں مصروف ہیں۔ دین کے اندر ہوائے نفس کو اس قدر آزادی ملی
ہوئی ہے کہ جس کا بھی چاہتا ہے کسی پرانی قبر کو جھاڑ پونچھ کر یا نئی
قبر کو سجا کر راستہ کر کے پانچ حسات گہرے سبز رنگ کی چادریں چڑھا
کر چند مجاہدہ چٹا کر کچھ ڈھول پیٹنے والے ایک آدھ توآں یا ربی بلا
کر، پلاؤ کی دیگ بانٹ کر قبر کے اندر مرقے کو زندہ کر کے۔۔۔
مشکل کشائی، صاحبِ روانی اور الوہیت کا دھندہ شروع کر دیتا
ہے اس طرح ایک حرم کا ثمار ہوا اور ہزاروں چھوٹے بڑے حرم
وجود میں آگئے اور بندوں کی زندگی و دن رگی اور رات چرگنی ترقی
کرتی چلی گئی۔ قبر میں مرجعِ خلافت بن گئیں اور مسجدوں کے میمنہ
اور اسپیکروں سے لے کر چند کرانہ بنی بتر کے نقیب بن گئے۔

کرے غیرت کی جو پوجا تو کافر جو بھڑائے بیاض داکا تو کافر
کو اکب میں مانے کر تہ تو کافر جھکے آگ پر بہرہ سجدہ تو کافر
مگر مومنوں میں کثرت وہ ہیں راہیں
پر تش کریں شوق سے جس کی چاہیں

بنی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
فرار دل پہ دن رات نذیریں چڑھائیں شہیدوں سے جا جاکے مانگیں دعائیں
نہ تو حید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام مگر دے ذلیلان بجائے

(..... حالی)

اگر کوئی اللہ کا بندہ دین حق واضح کرنے اور حق تبیخ ادا
کرنے کے لئے مکر باندھتا ہے تو اسی دینِ خالص ہی کے مجاہدوں کی
افواجِ شرک کے کیل کانٹے سے لیس ہو کر آگے بڑھتی ہیں۔ مجاہدان
دینِ قبور اپنی پوری کوشش کے ساتھ داعی حق کی تیغ کشی کرنے

میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ غلام اپنی اور پرانی کتابیں پھول ٹول کر تھوڑوں کے انبار لگا دیتے ہیں۔ عوام سیدھے معادے کندھا ہند (ان جانت یمن ذلک اللہ) کے پیچھے ہوتے ہیں اور یوں دینِ قہر کے گرد دنیا کا حصار پھلے سے بھی کہیں زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ عوام کی سب سے بڑی کمزوری قہر میں سے ہجواری اور لاعلمی ہے۔ علمائے دین کی حالتِ زار یہ ہے جو اللہ نے قرآن میں یہاں کی ہے۔ انھوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی پر خوش ہے۔ قرآن اللہ کا حکام ہے اور اس میں کسی بھی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ قرآن کی ایک ہی آیت کا انکار کر دیا جائے تو یہ سارے قرآن کا انکار ہو گا۔ لہذا تادمین کی راہنمائی کے لئے بعد سے قرآن کا مطالعہ کرنے کے بعد زیر بحث موضوع سے متعلق آیات پیش کی جاتی ہیں۔ آئیے دیکھیں ہمارا معبود حقیقی اولیاءِ عرب راہی مدّشنی کیسے ڈالتا ہے۔

اللہ کے سوا تمہاری کوئی دلی ذمہ نہیں۔ اس کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں۔ اللہ ہی ایمان والوں کا دلی ہے۔ وہ انھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے اور جنھوں نے انکار کی روش اختیار کی ان کے اولیاءِ دشیا ملین ہوتے ہیں جو انھیں مدّشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ شیطان تمہیں اپنے اولیاء سے خوفزدہ کرتا ہے ان سے بہت ڈرو، اگر مومن ہو تو مجھ سے ڈرو۔ اللہ ہی کا تمہارا دلی اذناصر ہونا کافی ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دلی بنانے والا کھیلے خسارے میں ہے۔ تمہارا دلی صرف اللہ، اس کا رسول اور ایمان والے لوگ ہیں۔ اسے نبی کہہ دیا گیا۔ میں اللہ کے سوا کسی اور کو دلی اختیار کرنے والا ہوں۔ اگر تجھے کوئی مصیبت آ پڑے تو اللہ کے سوا اس کا ہٹانے والا کوئی نہیں۔ لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کے مد مقابل ٹھہر کر ان سے ایسی ہی محبت

کرتے ہیں جیسی اللہ سے ہوتی چاہیے۔ ڈرنے والوں کو آگاہ کر دو کہ حشر کے روز اللہ کے سوا کوئی اور ان کا دلی اور سفارشی نہ ہو گا۔ کہہ دو کیا ہم اللہ کے سوا دوسروں کو پکاریں جو ہمیں نفع پہنچان سکتے ہیں نہ نقصان۔ جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے آتا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کو چھوڑ کر اولیاء نہ بناؤ۔ ہم شیاطین کو ایمان پہنچنے والوں کے اولیاء بنا دیتے ہیں۔ ایک گروہ نے ہدایت کو اپنا لیا اور دوسرا گروہ جنھوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو اولیاء بنا رکھا تھا ان پر گمراہی برپا ہے۔ اسے نبی کہہ دو میں اپنے نفع و نقصان پر بھی اختیار نہیں رکھتا نہ ہی میں اپنے اذیہ سے مصیبت کو ٹھاسکتا ہوں نہ ہی میں غیب جانتا ہوں۔ میں کو تم اللہ سے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں نہ اپنے آپ کی وہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں وہ تمہاری اسی طرح کے بندے ہیں۔ اپنے اباؤ اجداد اور بھائی بندوں کو بھی اپنے اولیاء نہ بناؤ اگر وہ ایمان کے مقابلے میں انکار کا رویہ اختیار کریں۔ ایمان والے مرد اور ایمان والی خواتین ایک دوسرے کے اولیاء ہیں۔ جان لو کہ اولیاءِ اللہ وہ ہیں جن پر کوئی خوف نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ رنجیدہ ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لانے کے بعد اللہ سے ڈر کر برائیوں سے جتنی بچ سکیں۔ جو لوگ اللہ کے شریک ٹھہر کر ان کی پیروی کرتے ہیں وہ محض ایک گمان اور باطل تصور کے پیروکار ہیں۔ اللہ کے علاوہ کسی اور کو مدد کے لئے نہ پکارو جو تجھے نفع دے نہ نقصان، اگر تو نے ایسا کیا تو تیرا شمار ظالموں میں ہو گا۔ اللہ کے سوا کوئی مصیبت کو ہٹانے والا نہیں، کوئی بھلائی کو روکنے والا نہیں۔ اسے نبی! آپ کا جھبکاؤ ظالموں کی طرف نہ ہونے پائے ورنہ آپ کو لوگ چھوٹے گی اور آپ کی کوئی مدد نہ کی جائے گی۔ اللہ کے سوا آپ کے اور کوئی اولیاء نہیں۔ اللہ ہی سب سے بہتر حفاظت کرے خواہ

ہوتا ہے۔ اگر اللہ تمہیں مصیبت میں ڈالنے کا ارادہ کرے
 تو کوئی تمہیں بچا نہیں دے سکتا اور اگر وہ تمہیں اپنی رحمت سے
 نوازا چاہے تو اسے کوئی رکاوٹ نہیں۔ یہ لوگ اللہ کے سوا کو
 اور کوئی اور مددگار نہ پائیں گے۔ کیا انھوں نے اللہ کے علاوہ
 کوئی سفارشی بھڑائی ہے؟ خواہ وہ کسی شے کے مالک نہ ہوں
 اور نہ ہی عقل رکھتے ہوں کہ وہ کشفاعت ساری کی ساری فقط
 اللہ کا حق ہے۔ جو لوگ یہ آواز کریں کہ اللہ ہمارا رب ہے پھر اس
 پر استقامت کا ثبوت دیں اور اسی بات پر جمے رہیں ان کے
 اولیاء دنیا میں فرشتے بھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ جو لوگ اللہ
 کے علاوہ دوسرے کو اولیاء بنالیتے ہیں اللہ ہی ان پر نگرانی ہے
 اور اسے نبی! آپ ان پر ذکیں نہیں۔ کیا انھوں نے اللہ کے
 سوا اولیاء بنائے ہیں؟ کوئی تو بس اللہ ہی ہے۔ اللہ ہی
 قابلِ تعریف و حمد و ثناء ہے۔ جسے اللہ گمراہ کر دے اس کا سنبھالنے
 والا، اللہ کے بعد کوئی دلی نہیں۔ اللہ کے سوا جنھیں یہ لوگ پکارتے
 ہیں وہ کسی شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے۔ زمین و آسمانوں میں
 جتنے بھی سب اپنی حاجات اللہ سے مانگتے ہیں۔ اسے نبی! ایک
 ہی اللہ کو اپنا ذکیل بناؤ۔ جان بوجھ کر دوسرے کو اللہ کے
 مقابل نہ لے آؤ۔ شیاطین کے اولیاء سے لاد۔ شیاطین اپنے
 اولیاء پر دھی کرتے ہیں تاکہ یہ تم سے جھبکڑا کرتے رہیں۔ انبیاء
 نے مصیبت بیماری اور اولاد کے حصول کے لیے بے بس اللہ کو
 ہی پکارا۔ ظالموں کو دائمی حذاب ہو گا اللہ کے سوا کوئی اولیاء
 ان کی مدد نہ کر سکیں گے۔ ظالم لوگ ایک دوسرے کے اولیاء ہیں
 اور اللہ متقیوں کا دلی ہے۔ اس دن جب اللہ ان لوگوں کو گھیر
 لائے گا اصران کے ان معبودوں کو بھی جن کی آج یہ اللہ کو
 چھوڑ کر بندگی کر رہے ہیں، پھر وہ ان سے پوچھے گا کیا تم نے

اللہ کے سوا لوگوں نے جس قدر اولیاء بنا رکھے ہیں وہ اپنے لئے کسی
 نفع و نقصان کے مالک نہیں۔ اللہ کو چھوڑ کر تمام دوسری
 شے ہیں لوگ پکارتے ہیں وہ کسی بھی شے کی خالق نہیں وہ خود
 حق میں مردہ ہیں ان میں زندگی کی کوئی رشتہ نہیں، انھیں معلوم نہیں کہ رب
 کے بارے میں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ قیامت کے دن شیطان گمراہ
 ہو جائے گا دلی ہو گا۔ شیطان کا اندر اپنی لوگوں پر پھیلے گا جو اسے
 حق مانتے ہیں اور دوسرے کو بھی اللہ کی ذات و صفات میں شریک
 کرتے ہیں۔ اللہ کے سوا کسی کو ذکیں، کارساز نہ بناؤ۔ اللہ کے ساتھ
 ساتھ کسی اور کو نہ پکارو ورنہ علامت زندہ مبلے یا مردہ دگر اور ذلیل
 ہو کر رہ جائے گا۔ اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرو ورنہ تمہیں
 عیب دہی سے محروم کر کے علامت دیکھ کے جہنم میں پھینک دیا جائے
 گا۔ اللہ کو تمام کائنات چلانے کے لئے کسی مددگار اور پشتیبان
 کی ضرورت نہیں۔ ہدایت اللہ ہی کی ہے اور جو گمراہ ہوا، تم اس
 کو ہرگز کوئی دلی اور مرشد نہ پاؤ گے۔ اللہ کے سوا مخلوق کا کوئی خبر
 گیر اور دستگیر نہیں اور نہ ہی کسی اور کو اپنی حکومت کے انتہام دے۔
 انصاف میں شامل کرتا ہے۔ ولایت یعنی بادشاہی صرف اللہ کی
 ہے۔ اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی شامل کرنے کی مثال ایسی ہے
 جیسے کوئی آسمان سے گرے اور اسے پرندے ایک کر لے جائیں
 یا براہ اسے ایسی جگہ لے جا پھینکے جہاں اس کے پرچے ٹر جائیں
 ۔ اللہ کے سوا جسے بھی پکارا جائے باطل ہے۔ اللہ کے سوا جن
 رستوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سب مل کر ایک مکھٹی
 پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے اور اگر مکھٹی ان سے کوئی چیز چھین
 کر لے جائے تو یہ اس سے چھڑا نہیں سکتے۔ اللہ کے سوا یہ
 دینے والا کوئی نہیں۔ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کو سوا پرست بنائوں
 کی مثال گھڑی کے گھڑ کی سی ہے جو کہ گھڑوں میں کمزور ترین گھڑ

عالم الغیب اور

حاضر و ناظر ہونا اللہ کی صفات میں

از ڈاکٹر رفیق حسین شاذ کراچی

اللہ رب العالمین جو اپنی ذات و صفات اور حقوق و اختیارات میں نہایت بڑا اور قطعی طور پر لا مشرک ہے، اس نے اپنی کتاب میں یعنی قرآن میں اپنی ربوبیت، الوہیت اور واحدانیت کو اس قدر واضح و موثر دلائل و براہین کے ذریعے ثابت کر دیا ہے کہ اس کے نزول کے وقت سے لے کر آج تک نہ تو کوئی بڑے سے بڑا دشمن حق ان کو اپنے کفر و شرک اور باطل عقائد و نظریات کی تائید میں بطور دلیل پیش کر سکا ہے یا اللہ کے کسی حکم اور قانون میں ذرا برابر کوئی تغیر و تبدل کر سکا ہے اور نہ آئندہ قیامت تک کر سکے گا کیونکہ اپنی کتاب برحق کے تحت کونکر داری بھی خود اللہ رب العالمین نے ہی اٹھا رکھی ہے۔

إِنَّا نَحْنُ مُرْسِلُوهُنَّ وَإِنَّا لَنَظُنُّنَّہُ بے شک ہم ہی نے اس نصیحت بھری کتاب کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں (الحج: ۶۹)

لیکن حیف! اس آیتِ مسلمہ کی اکثریت پر کہ خود اس نے قرآن و حدیث کے پیش کردہ ایمانِ خالص اور اعمالِ صالحہ میں کفر و شرک اور بدعت کی آمیزش کرنے میں یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر کردار ادا کیا اور ایمان و عقیدے اور اعمال کے معاملے کو تقاریر و مشرکین مکر اور یہود و نصاریٰ کے مشابہ کر دینے میں کوئی قیامت محسوس نہ کی جبکہ

آج علماء ہر طرف مظاہرہ ہو رہا ہے۔ حقیق رسول کے نام نہاد و عوید اڑانے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو الٰہی صفات اور اختیارات سے متصف کر کے عقیدہ توحید کو اس طرح پارہ پارہ کر دیا ہے کہ ان عاشقانِ رسول کے سامنے شیاطین کو بھی اپنا وجود بے معنی سا نظر آتا ہو گا۔ اس لیے کہ خالق کی صفات اور اس کے اختیارات کی عقلی کا یہ سلسلہ مخلوق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک ہی محدود نہ رہا بلکہ مزید ترقی پذیر رہا اور پھر یہ ہوا کہ تمام خود ساختہ زندہ مسمومہ دلیوں اور پیروں و نقیروں کو اللہ کی صفات اور اس کے اختیارات کا حامل سمجھ کر، مشکل کشا اور حاجت دوا، داتا، دستگیر، عزیز، نواز اور خوش مان لیا گیا اور ان کو مشکل کشائی اور حاجت برداری کے لیے غائبانہ پکارا جانے لگا۔ اس طرح کفر و شرک کے قماروں اور جاناوڑوں یعنی قرآن و حدیث کے تاجروں اور قبروں اور مزاروں کے بیوپاریوں نے کچھ اس انداز سے اپنا کاروبار چمکایا کہ بیچارے سیدھے سادھے مسلمانوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور اس مصنوعی چمک و دمک نے انہیں اسلام کی حقیقی روشنی سے کوسوں دور کر دیا اور انہیں احساس بھی نہ ہوا کہ آہستہ آہستہ دین داری کے نام پر ہر طرف کفر و شرک اور بدعت و ملیش پرستی اور نفاق گانے کے شیطانی اڑنے سے (مزاروں و آستانوں کی شکل میں) قائم ہو گئے جن کی وجہ سے اللہ کے گھروں کی ویرانی اور بربادی کا سامان

جیسا کہ دیا گیا دریں اللہ کے خالص بندگی کا تصور مستحضر رہتا چلا گیا یہاں تک کہ اللہ کے گھروں (مساجد) میں بھی اللہ وحدہ لا شریک کے ساتھ اسی کے بندوں کی پکاریں گئے لیکن چنانچہ خالق کی برابرگی میں مخلوق کے ناموں اور ان کی پکاروں پر مشتمل تحریریں اور انتہائی خوشنما اور دیدہ زیب کتبوں اور گھروں کی نمائش کو آج کوئی غیر معمولی چیز سمجھنے کے بجائے مسجد کی سجاوٹ کے لیے ضروری خیال کیا جاتا ہے بلکہ یہ مفہوم نمائش اب مساجد سے نکل کر سردروں، اساتذوں گھروں اور عوامی اجتماع کی جگہوں تک وسعت پا چکی ہے اور اس کو عین دین اور باطنیت خیر و برکت سمجھا جاتا ہے۔ گو اللہ کے اللہ کا دعویٰ اسلام اور دینداری کے لیکن پڑھا اور پکارتیں خیر اللہ کی۔ مگر اس کے خلاف کوئی اور ازہ آٹھی کوئی پوشہ شریعت اور کوئی بیان دشمن ہو (انکشاف کاٹھ) اور اب تو اس برائے (شرک) اور انتہائی گھبرائے کی کیفیت ملتی ہے۔ آدھری باری مسجد کو مندر میں بدلنے کی فریضہ پھیل تو پورے ہندوستان میں شور مچا ہو گیا کہ مندر نہیں بننے دیں گے ساری دنیا سے خدا کے احتجاج بلند ہوئی (زیارتی اپنی جگہ ایک حقیقت) لیکن گھر کا مساجد کو جو مندروں میں تبدیل کر دیا گیا ہے ان کے خلاف بلند والا کوئی نہیں۔ اللہ کی کتاب پکارتی رہت۔ و ان المساجد للہ فلا تخرج منہم شیء اللہ احسن ما لا کر مسجدیں اللہ کا گھر ہیں پس لا ہا للہ کے ساتھ کھیا اور کو مست پکارا اس کے برخلاف مساجد میں غیر اللہ کی پکاریں لگتی رہیں ان کو دوار ملکہ بھجا جائے۔ مقررہ کی شکل میں شکائی جا میں اس سے مسجد کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا جو مکرر متعہ حسن فریضہ اللہ اللہ اور عبد الرحمن نام کے لوگوں کے ہاتھوں انجام پا رہا ہے۔ اس لیے اپنے مندروں کے خلاف لاتے کی کیا ضرورت ہے یہ ہیں ایمان اور عشق رسول کے اصل جویدار اور یہی ہے زندگی کی تعلیم کو دین توحید کو پامال ہوتے دیکھا اور اس کے خلاف اپنا علم اثر و روش اور اپنی طاقت استعمال کرنے کے

یہی ہے اس کی حمایت اور تائید کرتے رہو یا خاموش رہو اور دین کا بارہ ہزار
کافر و کفر کی نشر و اشاعت اور اس کا تبلیغ کرنے والوں کی خواہش اور
امت کے اندر رائج کفر و شرک پر مبنی رواج پذیر اور اپنی عقائد
پر سب ایک ہی عقیدہ بھی پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم بھی عالم الغیب ہیں اور یہ کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور اپنی امت کے
تمام اعمال کا بھی مشاہدہ فرماتے ہیں اور ان کے تمام حالات سے باخبر
ہیں۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں اس حوالے سے جو دعائیں سنائے
جاتی ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کائنات میں
کوئی دوسرا عالم الغیب نہیں ہے اور نہ ہی اللہ کے علاوہ کوئی ایسی ہستی
ہے جو کائنات کی ہر چیز کے بارے میں پوری طرح علم رکھتے والی ہو اور
ایسا ممکن ہے کیونکہ جب اللہ کے علاوہ اس کائنات کا خالق مالک
اور مدبر کوئی اور نہیں ہے تو پھر اس کی پرشیدہ باتوں کا عالم ان کوئی اور کسے
ہرکت ہے؟ دوسرے یہ کہ کائنات کے تمام احوال سے باخبر مناسب
کی نسبت اس سبب کی دیکھنا اور سب کے بارے میں جانتا فی الخیر الاستیعاب
البصیر اور العظیم ہوتا تو صرف اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جو میں کوئی دوسرا
ہرگز ہرگز شریک نہیں ہو سکتا اس لیے کسی بھی مدعی ایمان کو یہ ذریعہ نہیں دیتا
کہ وہ کسی ایسے عقیدے کو دین اسلام سے منسوب کرے جس کا قرآن و
حدیث میں نہ صرف یہ کہ کوئی تصور نہ ہو بلکہ اٹل کفر و شرک پر مبنی ہو چنانچہ
اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ ان عقائد کو حق جاننا اور ان کی تبلیغ کرنا
گویا اپنے ہاتھوں پر مشرک ہونے کے لیے جہنم میں جانے کی تیاری کرنا ہے
اس سلسلے میں سب سے پہلے قرآن کی آیات ملاحظہ فرمائیں:-

وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُنْعَثُونَ ﴿١٠٠﴾ کہہ دو کہ آسمانوں اور زمین کی پرشیدہ باتوں کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور انہیں تو یہ بھی نہیں

معلوم کہ (مرے بعد) کب (زندہ کر کے) اٹھائے جائیں گے۔
(النمل: ۶۵)

۱۳۱. وَ عِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يُعْلِمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَهُوَ
اعلم غیب کی تمام کنجیاں اللہ کے پاس ہیں جن کو اس کے ایک علاوہ
کوئی نہیں جانتا (الانعام: ۵۹)

۱۳۲. قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِشْرَ أَشْهُنَ ۚ قُلْ مَنْ اللَّهُ لَا أَفْهَمُ
الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ ۚ إِنْ أَتَيْتُ إِلَّا بِمَا يُوحَىٰ
الہی ۚ اے نبی! کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے
خبر سے ہیں اور نہ ہی غیب جانتا ہوں اور نہ ہی تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرستہ
ہوں، میں تو صرف اس بات کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی
ہے۔ (الانعام: ۵۰)

۱۳۳. وَ عِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يُعْلِمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَ
يُعْلِمُ مَا فِي الْبُحْرِ وَالْجَبْرِ ۚ وَهُوَ اللَّهُ هُوَ الْغَيْبِ
کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور وہی وحی اور وحی کی ہر
جزیہ علم رکھتا ہے۔ (الانعام: ۵۹)

۱۳۴. قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ۚ تَعْلَمُ كِتَابًا لَا تُظَاهِرُ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ
وَلَوْ كُنْتَ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَا سَتَلْتَنَزِلَ مِنْ الْغَيْبِ ۚ وَمَا
مَسْنِي السَّوْءُ ۚ اے نبی! ان سے کہہ دو کہ میں اپنے لیے بھی
کسی تشویش و غم کا اختیار نہیں رکھتا اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں اپنے
لیے بہت سے فوائد جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی

(الاعراف: ۱۸۸)

۱۳۵. قُلْ مَا أَكُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ ۚ وَمَا آدْرَاكِي مَا
يُفْعَلُ بِي وَلَا لَكُمْ ۚ إِنْ أَتَيْتُ إِلَّا بِمَا يُوحَىٰ ۚ إِنْ أَتَيْتُ إِلَّا بِمَا
أُوحِيَ ۚ لَا تَزِيدُ مِّنْ مُّبِينٍ ۚ کہہ دو کہ میں کوئی نیا رسول نہیں آیا اور میں نہیں
جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا

میں تو اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی آتی ہے اور میرا کام و
واجب طور پر خبردار کر دینا ہے۔ (الاحقاف: ۹)

۱۳۶. هُوَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ عَلِيمُ الْغَيْبِ وَ
الشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ اللَّهُ هُوَ جِسْمِ سَاكُونِ مَبُودِينَ ۚ وَهُوَ
غیب اور حاضر کا علم رکھنے والا ہے۔ (الحشر: ۲۲)

اللہ تعالیٰ کی صفات کو اس کی مخلوق (انبیاء اور اولیاء)
کی طرف منسوب کرنے والوں کو (اگر ان کے دلوں میں واقعی ایمان ہے
تو) کتاب اللہ کی اس آیت سے لڑنا اٹھنا چاہیے۔

۱۳۷. أَمْرٌ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُمُونَ ۚ أَمْرٌ
يُرِيدُونَ كَيْدًا ۚ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ الْمَكِيدُونَ ۚ
أَمْرٌ لَهُمُ الدُّغَيْرُ ۚ اللَّهُ طَسْبَعْنُ اللَّهُ عَمَّا يَشْرِكُونَ ۚ
"کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے کہ اس کی بنا پر یہ کھ رہے ہیں یا یہ کوئی
داؤ کرنا چاہتے ہیں تو کفر کرنے والے خود داؤ میں آئے والے ہیں کیا اللہ کے
علاوہ ان کا کوئی اور معبود ہے؟ (تو سن لیں کہ) اللہ پاک ہے اس
شرک سے جو کہتے ہیں۔ (الطور: ۳۱-۳۲)

۱۳۸. قُلْ إِنْ أَدْرَاكِي أَقْرَبُ مَا تَوْحَدُونَ ۚ أَمْرٌ
يَجْعَلُ لَكَ رَأْيِي أَمْرًا ۚ عَلِيمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ
عَلَى شَيْءٍ أَحَدًا ۚ إِنْ تَقْضَىٰ مِنْ شَيْءٍ سَوْفَ تَرَىٰ
يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ مَرْجَدًا ۚ
"کہہ دو کہ میں (دراستی) کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، میں نہیں جانتا کہ وہ
(عن) قریب (آنے والا) ہے یا میرے پروردگار نے اس کی مدت
دار کر دی ہے (وہی) غیب (کی بات) کا جاننے والا ہے اور وہ
کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا اگر اپنے میں رسول کو (غیب کی کچھ
باتیں بتانے کے لیے) پسند فرمائے۔ پس وہ اس کے آگے اور پیچھے
نگہبان مقرر کر دیتا ہے" (الحج: ۲۵-۲۷)

ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کوئی رسول بھی بذاتِ خود علم غیب نہیں رکھتا بلکہ منصبِ نبوت و رسالت پر فائز کرنے اور اس کی انجام دہی کے لیے غیب کی بنی باتوں کا علم ضروری ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بقدرِ لدی وحی اس کو عطا فرماتا ہے۔

(۱۰) قُلْ قُلُوبُنَا لَمْ يَكُنْ لَنَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ اِنَّمَا الْحِكْمُ عِنْدَ اللّٰهِ مَا اِنَّمَا اَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝

"اور یہ (کافر و مشرک) کہتے ہیں کہ اگر تم (اپنے رسول کی نبوت میں) کچھ ہر تو (بتاؤ) یہ وسیعہ (قیامت و عذاب کی) کب (پوری) ہو گی؟ (اے نبی) کہہ دو کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، میں تو واضح طور پر ڈر سناتا دیتے والا ہوں۔" (المائدہ: ۲۵، ۲۶)

(۱۱) يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مَزْلَاجُهَا فَيَقُولُ اَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا ۝ اِلَّا رَبُّكَ مَسْتَهْجِئُهَا ۝ اِنَّمَا اَنْتَ مُنذِرٌ مِّنْ يَّخْشَاهَا ۝

"(اے رسول) یہ لوگ تم سے (قیامت کے بارے میں) پوچھتے ہیں کہ وہ گھڑی کب وقوع پذیر ہو گی؟ (اے پیغمبر) اس کے بارے میں بتانے کا تم کو کیا ملے گا؟ اس کا منہا (یعنی واقع ہونے کا وقت) میرے لیے درکار ہی کو (معلوم) ہے۔ تم تو صرف خبردار کر دینے والے ہو ہر اس شخص کو جو اس کا ڈر رکھتا ہے۔" (الانشراح: ۲۲-۲۴)

(۲۵) سَيُخَيِّرُ اللّٰهُ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ "اللہ پاک ہے ان باتوں سے جو (اس کے بارے میں) بتاتے ہیں۔

عَلِيمِ الْغَيْبِ وَ الشَّاهِدِ فَتَعَلٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ "وہ غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے پس وہ پاک ہے اس شرک سے جو یہ کرتے ہیں۔" (المؤمنون: ۹۱، ۹۲)

۱۳۱) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ مَّنْ يَّسْلِمُ ۝ وَاِنْ تَوَلَّوْا يَتَقَرَّبْ فَاَنْزِلْكُمْ اَخْبَرُ عَزِيْزٌ ۝ "اور اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ تم کو غیب پر مطلع کرے۔ البتہ (غیب کی باتیں بتانے کے لیے) اللہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیزگاری اختیار کرو گے تو تمہارے لیے بڑا اجر ہے۔"

(آل عمران: ۱۷۹)

(۱۳۲) وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغُرٰى اِذْ قُضِيَتْ اِلٰى مَوْسٰى الْاَمْرُ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ لَا وَكُنَّا اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلْ عَلَيْهِمُ الْحُمْرُ ۝ وَمَا كُنْتَ تَاْوِيْا فِىْ اَهْلِ مَدْيَنَ تَسْتَلُوْا عَلَيْهِمْ اَيْتٰنًا وَلَا كُنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّا حَمْدًا مِّنْ رَبِّكَ لِتُذَكِّرُوْا مَّا اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَرْتَدُّوْنَ ۝ "اور (اے نبی) تم (اس وقت) (طور کے) مغرب گئے میں نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف حکم بھیجا اور

ذوق (اس واقعہ کا) مشاہدہ کرنے والوں تھے۔ بلکہ (اس کے بعد آپ کے زمانے تک) ہم بہت سی نسلیں اُٹھا چکے اور ان پر بہت مدت گزر گئی اور نہ تم مدین والوں کے درمیان بھی موجود تھے کہ ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سن رہے ہوتے بلکہ ہم ہی (اس وقت بھی رسولوں کو بھیجے والے تھے اور نہ تم اس وقت طور کے دامن موجود تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) آواز دی بلکہ (تمہارا رسول بنا کر بھیجا جانا) تمہارے پروردگار کی طرف سے رحمت ہے تاکہ تم ان لوگوں کو ڈر سناؤ جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ نصیحت پکڑ لیں۔"

(التقصص: ۲۷-۳۶)

زمین میں جو بھی اللہ کی مخلوقات ہیں، خواہ وہ فرشتے ہوں یا جن یا انبیاء اور اولیاء یا دوسرے انسان اور غیر انسان سب کا علم محدود ہے ان میں سے ہر ایک سے کچھ نہ کچھ یا بہت کچھ مخفی اور پوشیدہ ہے سب کچھ جاننے والی اگر کوئی ہستی ہے تو وہ صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے، جس سے اس کائنات کی کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔ وہ ماضی، حال اور مستقبل کی پوری پوری خبر اور علم رکھتا ہے۔ عربی اصطلاح میں غیب سے مراد ہر وہ چیز ہے جو معلوم نہ ہو۔ جس تک حواس خمسہ کی مسائیذ ہو اب یہ ہر ذی عقل و شعور کا کام ہے کہ وہ اپنی جگہ اس امر پر غور و فکر کرے کہ کیا یہ بات کسی اعتبار سے مناسب اور ممکن ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی عالم الغیب ہے یعنی ان تمام اشیاء اور حقائق کا جاننے والا ہے جو کائنات میں کبھی تھیں اب ہیں یا آئندہ ہوں گی اور اگر کوئی دوسرا عالم الغیب نہیں اور نہ یقیناً ہو سکتا ہے تو پھر کیا یہ بات عقل سلیم میں آنے والی ہے کہ جو پوری طرح حقائق و احوال سے واقف ہی نہیں، ان میں سے کوئی انسانوں کا مشکل کشا، غوث یا شیگر ہو سکے؟

الوہیت اور علم غیب کے درمیان ایک ایسا گہرا تعلق ہے

کہ زمانہ قدیم سے ہی انسان سے اللہ کے علاوہ جس بھی دوسری ہستی میں کسی الوہی صفت کا گمان کیا اس کے بارے میں یہ تصور ضرور قائم کیا کہ اس پر سب کے سب احوال ظاہر ہیں گویا انسان اس بات پر متفق ہیں کہ تقدیریں بنانا اور بگاڑنا، دعائیں سنتا اور قبول کرنا، مشکل کشائی کرنا اور مدد کو پہنچانا صرف اس ہستی کا کام جو ممکن ہے جو سب کچھ جانتی ہو اور جس کو سب کے بارے میں پوری خبر ہو یعنی جس سے کوئی بات پوشیدہ نہ ہو اسی لیے انسانوں نے جب بھی اللہ کو پجور کر کسی اور کو الوہی صفات کا حامل قرار دیا تو اس کے متعلق یہ ضرور تصور کیا کہ وہ عالم الغیب بھی ہے اب اگر یہ حقیقت ہے اور یقیناً ہے کہ کائنات کا خالق، رکن

(۱۵) ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۚ (المعین) یہ باتیں اخبار غیب میں سے ہیں جو ہم تم پر وحی کر رہے ہیں اور تم اس وقت ان کے پاس نہیں تھے جب وہ اپنے قلم (بطور ترجمہ یہ طے کرنے کے لیے) ڈال رہے تھے کہ مریم کی کفالت کون کرے گا اور نہ تم اس وقت ان کے درمیان موجود تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ (ال عمران: ۴۳)

(۱۶) ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اذْ اٰجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ يَحْكُمُوْنَ ۚ (المعین) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم بذریعہ وحی تمہاری طرف بھیجتے ہیں اور تم اس وقت ان (برادرانِ یوسفؑ) کے پاس موجود نہ تھے جب انھوں نے اپنے منصوبے پر اتفاق کیا اور وہ چال چل سہے تھے۔ (یوسف: ۱-۲)

(۱۷) تِلْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ وَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۚ (یہ حالات) منجملہ اخبار غیب میں سے ہیں جن کو ہم تمہاری طرف وحی کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے نہ تم ہی ان کے بارے میں جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم (یہی ان سے واقف تھی۔ (یہود: ۳۹)

(۱۸) يٰعِلْمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يَحِيطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ (اللہ جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے دہرے ہو رہا ہے اور جو ان کے پیچھے ہو چکا ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اس کے جس قدر اللہ چاہے۔ (البقرہ: آیت الکرسی - ۲۵۵)

پس مذکورہ بالا قرآنی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان اور

جنی اللہ کی ایک اور طاقتور مخلوق ہے جن کی قوت شریعت اور
 اور رفعت پروردگار قرآن میں ذکر موجود ہے۔ جنی اللہ کے حکم سے سیماں
 علیہ السلام کے آگے کام کرتے تھے جو ان سے اسے جاری قسم کے
 کام پتے تھے۔ ان کے سامنے سلیمان علیہ السلام کی موت واقع ہوتی
 ہے جو اپنے عصا کا سارا سکہ کھڑے تھے اور ان کے ہم نگرانی و مدد
 دے تھے لیکن جنوں کی ایک وقت تک اس کی ضرورت نہ رہی تھی بلکہ
 کہ جب کھڑے نے سلیمان علیہ السلام نے عصا کو کھلے کھاتے
 ان کا کمر و گردیا کہ وہ ان کا وزن دس ہزار سکا اور ٹوٹ کر لڑا تو جنوں و سلیمان
 علیہ السلام کی موت کا علم ہوا۔ اس وقت کی ان کی بات کہ قرآن
 میں اللہ نے ذکر فرمایا ہے۔ جنوں نے کہا کہ کائنات کی مخلوق
 الْخَبِيبَ مَا لَيْسَ فِي الْعَذَابِ الْمُبِينِ کہ اگر وہ عیب
 کا علم رکھتے ہوتے تو ذات کی تکلیف میں نہ رہتے (سبا: ۱۳)
 یعنی کام کی مشقت ڈال دیتے بلکہ ان کو ہر کام سے چلے جاتے۔ آج مولوی
 اور پیر کے چیلے ہوئے عملیات کے چکر میں اگر اپنی جنوں کے
 ذریعے مختلف پوشیدہ امور کے بارے میں معلومات حاصل کرنے
 کی کوشش کی جاتی ہے جو اللہ کے عالم الغیب ہونے کی صفت میں
 شرک مرتکب ہے۔

مذہب، مسیح و یحییٰ علم نبی اور مذاق اللہ کے علاوہ کوئی نہیں تو پھر اس
 کے علاوہ عالم الغیب کوئی دوسرا کیسے ہو سکتا ہے؟ کسی فرشتے یا
 جن اور جنی یا ولی کو آخر کیا معلوم کہ زمین کی تہوں میں، سمندر کی گہرائیوں
 میں آسمانوں کی بلندیوں میں اور زمین کی سطح کے اوپر کتنی قسم کی مخلوق اور
 کہاں کہاں آباد ہے؟ استاروں اور سیاروں کی ٹھیک ٹھیک تعداد
 کیا ہے اور تمام مخلوقات کی ضروریات کیا ہیں؟ یہ تمام باتیں اللہ ہی کو
 معلوم ہو سکتی ہیں کیونکہ وہی ہوتا ان سب کا خالق و مالک اور رب ہے
 وہی ان کے معاملات کی تدبیر و ان کے حالات کی نگرانی اور سب کی
 روزی کا انتظام کرتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی رزاقی، خلاقیت اور
 قیومت ناقابل تقسیم ہیں بالکل اسی طرح اس کے عالم الغیب
 ہونے کی صفت بھی ناقابل تقسیم ہے۔

فرشتے اللہ تعالیٰ کی انتہائی مقرب اور طاقتور مخلوق ہیں جن کو
 اس نے کائنات کے تکوینی نظام پر مامور کر رکھا ہے لیکن آدم علیہ
 السلام کی تکلیف کے موقع پر وہ ان چیزوں کے نام بتانے سے معذور
 رہے جن کے نام اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سکھائے تھے اور
 ان الفاظ میں اپنی عاجزی کا اعتراف کیا قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا
 عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط فرشتوں نے کہا (سبا: ۱۲) تو
 پاک ہے، جتنا علم تو نے ہم پر بخشا ہے اس کے علاوہ ہمیں کچھ معلوم
 نہیں (البقرہ: ۳۲)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا
 تَعْلَمُوْنَ کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے (البقرہ: ۳۲)
 اور فرشتوں کو بتلایا کہ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْ اَعْلَمُ غَيْبُ
 السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ
 تَكْتُمُوْنَ کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین
 کی (سب) پوشیدہ باتوں کا جانتے والا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو
 اور چھپا رکھتے ہو (وہ سب کچھ میں) مجھے معلوم ہے
 (البقرہ: ۳۳)

سلیمان علیہ السلام انسانوں میں سے اللہ کے پیغمبر گزارے
 ہیں جن کو اللہ نے جانوروں کی بولی سکھائی، ان کو ہر چیز عطا فرمائی اور
 ان کے لیے جنوں انسانوں اور پرندوں کے شکر جمع کئے لیکن ان کے
 لشکر میں سے ایک پرندہ (ہد ہد) غائب ہو جاتا ہے اور کوئی نہیں ہرتی
 پتا پتا اس پر نارا اٹھنے کا اظہار فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر اس نے
 اگر اپنی حیرت افروز کی معقول وجہ بتائی، صحیح عذر پیش نہ کیا تو میں
 اس کو سخت سزا دے گا یا زبحہ کر ڈالوں گا۔ تھوڑی دیر بعد وہی پرندہ
 آگیا اپنی حیرت افروز کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھے ایک ایسی

اتنا ہی علم دیا گیا جو رسالت کا حق ادا کرنے کے لیے کافی تھا۔ چنانچہ جہاں قرآن نے کسی اور کے لیے عالم الغیب ہونے کی تردید کی وہاں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اللہ نے ان کو اپنے بارے میں اس کے راز کے حکم دیا ہے تاکہ یہ بات بالکل صاف ہو جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں۔ درج ذیل احادیث سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

۱۱۔ مختلف کتب احادیث میں صحیح اسناد کے ساتھ عائشہ رضی

سے روایت بیان کی گئی ہے جس میں کہا گیا ہے وَمَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي بَيْتِكَ فَقَدْ كَذَبَ، ثُمَّ كَرَأَتْ وَمَا تَزِيدُنِي نَفْسٌ مَّا ذَا تَكُتَسِبُ عَذَابًا کہ "جس نے تجھ سے یہ کہا کہ وہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) جانتے ہیں کہ کل کیا ہونے والا تو اس نے جھوٹ کہا" اور پھر (سورۃ لقمان کی) یہ تلاوت کی "اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا" (بخاری کتاب التفسیر) یا اس طرح کہ وَمَنْ وَعَمَرَ أَنَّهٗ يُخَيَّرُ بِمَا يَكُونُ فِي بَيْتِهِ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَى اللَّهِ الْفِرْيَةَ وَاللَّهُ يَقُولُ قَوْلًا لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللَّهُ ۝

"جس شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ کل کیا ہونے والا ہے اس نے اللہ پر بہت بڑھوٹ باندھا" (بخاری) اللہ فرماتا ہے (سورۃ النمل) کہ (اسے بخبر) کہندو کہ آسمان اور زمین میں اللہ کے علاوہ کوئی غیب کی بات کو نہیں جانتا (مسلم: کتاب ایمان)

۲۔ ابن المنذر نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد عکرمہ سے روایت بیان کی ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کب واقع ہوگی؟ ہمارے علاقے میں قیامت سال ہی ہے، بادشہ کب برے گی؟ میری بیوی حمل سے ہے اس کے راز کا ہر گیارہویں کی آج کے دن جو کام میں نے کیا ہے وہ مجھے معلوم ہے اس میں کیا کر دیا اور

بعض معلوم ہوئی ہے جس کی آپ کو خبر نہیں اور یہ کہ میں آپ کے لیے شہر سب سے ایک صحیح خبر لے کر آیا ہوں (ملاحظہ ہو سورۃ النمل) دوسرا کوع)۔ پھر وہ سارا واقعہ بیان کرتا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک پیغمبر (روایتاً عنہ علیہ السلام) کا ذکر فرمایا جن کو سو برس تک مردہ دکھایا گیا۔ پھر ان کو زندہ کر کے پوچھا کہ اس کیفیت میں کتنا وقت گزارا۔ انہوں نے فرمایا ایک دن یا اس سے بھی کم وقت۔ (سورۃ البقرہ: ۲۵۹) اسی طرح اصحاب کہف جو اللہ کے نیک بندہ سے تھے جنہوں نے اللہ پر اپنے ایمان کو پیمانے کے لیے ایک غار میں پناہ لی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کئی سال تک اسی غار میں سلائے رکھا یہاں تک کہ اس وقت کا سکہ بھی تبدیل ہو گیا۔ جب اللہ نے ان کو نیند سے بیدار کر کے اٹھایا تو انہوں نے بھی ایک دوسرے کو یہی بتایا کہ ایک دن یا اس سے کچھ کم وقت اس حالت یعنی نیند میں گزارا ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ اللہ ہی جانتے والا ہے کہ ہم یہاں کتنا عرصہ سوتے رہے (سورۃ الکہف) عرض اللہ اپنی مخلوق کو ضرورت کے مطابق یا جس قدر چاہتا ہے ظاہر اور پوشیدہ باتوں کا علم عطا کرتا ہے لیکن عظیم غیب غیور پر کسی اور کو حاصل نہیں، علم الغیب کی صفت صرف اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہے جیسا کہ مذکورہ بالا قرآنی آیات و واقعات سے ثابت ہو رہا ہے۔

یہاں ایک نکتہ اور بھی قابلِ غور ہے کہ قرآن مجید محض غیر اللہ کے لیے عالم الغیب سمجھنے کی نفی پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ خاص طور پر انبیاء علیہم السلام اور اسی خزانے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے بالکل واضح اور دو شک الفاظ میں صراحت کرتا ہے کہ وہ عالم الغیب نہیں ہیں تاکہ لوگ ان کو الوہیت و ربوبیت اور دیگر صفات الہی میں شریک نہ سمجھنے لگیں۔

دیگر انبیاء کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی غیب کا صرف

یہ تو میں جانتا ہوں کہ کہاں پیدا ہوا تھا میری موت کہاں ہوگی؟
اس کے جواب میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ لقمان کی یہ
آیت تلاوت فرمائی

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ
وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ تَأْذَنُ تَكْلِبُ
عَدَاةً وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِمَا تَأْكُلُ وَهُوَ عَلِيمٌ بِمَا أَنْتَ
فَاعِلٌ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

کہ بجز اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی بادشہ برساتا ہے
اور دہا جانتا ہے کہ (عالم کے) پیٹ میں کیا ہے اور کوئی نفس نہیں جانتا کہ
وہ کل کیا کام کریگا اور کوئی نہیں جانتا کہ کس سر پر بندہ اسے موت آنے کی۔
بلکہ اللہ ہی جانتے والا اور خبردار ہے (سورۃ لقمان: ۳۴)

۳۴۔ اسی طرح ہماری دین اسلام کی مشہور روایت (حدیث جبریل) بھی
اسی کی تائید کرتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ صحابہ کرام کی موجودگی میں
جبرائیل علیہ السلام نے انسان شکل میں اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت
سے سوال کئے تھے ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ قیامت کب آئے گی؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمُ
مَنْ أَسْأَلَ عَنْهَا کہ جس سے سوال کیا گیا ہے وہ (خود) سوال کرنے والے
سے زیادہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ پھر قیامت کی نشانیاں بتائیں اور
فرمایا کہ قیامت (غیب کی) ان پانچ باتوں میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا
کوئی نہیں جانتا اور پھر سورۃ لقمان کی مذکورہ بالا آیت تلاوت کی۔

(کتاب الایمان)

مذکورہ بالا قرآنی آیات اور احادیث اس بات کا کلیتہً
ثبوت ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تو کوئی عالم الغیب ہو سکتا ہے اور نہ
حاضر و حاضر ناظر ہو سکتا ہے۔ اب اگر قرآن و حدیث کی اس وضاحت کے
بوجود بھی کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی

عالم الغیب ہیں اور اپنی اُمت کے اعمال کا مشاہدہ کرنے کے لیے حاضر
ناظر ہیں تو ایسے فرد اگر وہ کے کفر و شرک میں کمی تک و شے کی کیا گنجائش
بآلہ رہ جاتی ہے؟

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے
میں ماضی و حاضر کا عقیدہ رکھنے والوں کو سورۃ
الاحزاب کی دو ذیل آیت یاد رکھنی چاہئے

تَشْكُكَ كَاسِيَارَا

جس کا یہ رنگ۔ یعنی بدعتیوں کو سامنا دینے کے لیے خوب پرچار کرتے ہیں اور
اور اس طرح ایک واضح و عکس آیت کو غلط معنی دے کر تحریف قرآن کے
عجز ہتھی ہیں

آیت یہ ہے۔ لَا يَتَخَا الْيَقِينُ أَنَّا أَرْتَكِبُ تَاْهِدًا
وَمُبْتَلًى وَتَذَرِيرًا

کہ (یعنی) صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو گواہی دینے
والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (الاحزاب: ۵۴)
اسی تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے اگلے آیت میں فرمایا وَآيِسًا
رَأَى الْآلُفَ بِآذُنِهِمْ وَكُفْرًا جَا قُبْرًا اور (اُپ کو) اللہ کی طرف
اس کے اذن سے بلائے والا اور (ہدایت کا) روشن چراغ بنا کر
بھیجا ہے۔ (آیت ۵۶)

اسی آیت کے حوالے سے مذکورہ بالا گروہ نے دلیل پیش کرتا ہے
شاہد (گواہ) وہ ہوتا ہے جس نے کسی معاملے کا مشاہدہ کیا ہو اور دیکھ
کر اس کی گواہی دے۔ چنانچہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے
اعمال دیکھ رہے ہیں تبھی تو قیامت کے دن گواہی دیں گے اس لیے
ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں۔ بلکہ حقیقتاً یہ
استدلال اس گروہ کی لاعلمی اور جہالت پر مبنی اور قرآن پر افتراء بنانہ ہونے
کے مترادف ہے۔ یہ کہہ کر اس آیت اور اس طرح کی دوسری آیات میں نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنانے کا مفہوم بہت دیکھ رہے ہیں۔ اس میں تین

طرح کی شہادتیں شامل ہیں جن کو احسن طریق پر پورا کرنے کی ذمہ داری
نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈالی گئی ہے۔

اولاً تو یہ شہادت یعنی یہ کہ اللہ کو یمن تعاقب اور اصولوں پر
بھنی ہے، بخوان کی حقانیت اور صداقت کا شاہد (گواہ) بن کر کھڑا ہوا اور
پوری دنیا پر واضح کر دے کہ وہی حق ہیں اور ان کے خلاف جو کچھ ہے
باطل ہے اور اس میں کسی سوست لاکم کی پروا نہ کرے۔ ثانیاً عملی شہادت
یعنی یہ کہ نبی پر جس دعوت کو لوگوں کے سامنے پیش کر کے ذمہ داری ڈالی
گئی ہے اس کو وہ سب سے پہلے اور سب سے پہلے کو اپنے عمل سے
ظاہر کئے۔

ثالثاً اخروی شہادت یعنی قیامت کے دن جب اللہ کی صدارت
قائم ہوگی اس وقت نبی اللہ کے اذن سے اس بات کی شہادت دے
گا جو پیغام اس کے سپرد کیا گیا تھا اس نے کسی کمی و بیشی کے بغیر لوگوں
تک پہنچایا تھا اور دعوت حق کی جو ذمہ داری اس پر ڈالی گئی تھی اس کو
اس نے اپنے قلب و عمل سے لوگوں پر پوری طرح واضح کر دیا تھا یہ ہے
شاہد کا اصل مفہوم جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہادت کے
مقام پر فائز کر کے کتنی بڑی ذمہ داری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈالی ہے۔

اور تیناً اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین تو میر یعنی اسلام کی
قولی اور عملی شہادت دیتے یا بالفاظ دیگر منصب رسالت کی ذمہ داریوں
سے جہدہ برآ ہونے میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں ہوتی جیسا کہ اللہ اپنے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرماتا ہے **يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ
بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ط وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ
فَمَا بَلَّغْتَ مِرْسَلَتَهُ** "اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
لوگوں کے سامنے بیان کر دو جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تم پر نازل
ہوا ہے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو لگایا تم اللہ کا پیغام پہنچانے (منصب
رسالت کی دائیگی) سے قاصر رہے۔" (الحائدہ: ۶۷)

تیسری تو آپ قیامت کے روز یہ شہادت دے سکیں گے
کہ میں نے لوگوں پر حق واضح کر دیا تھا اور بعد اس دنیا پر اللہ کی حجت
لوگوں پر قائم ہوگئی اور وہ یہ نہ کہہ سکیں گے کہ اللہ کا پیغام ان تک
نہیں پہنچا تھا۔

اسی شہادت کے ان لوگوں کو یہ معنی ملے ہیں کہ نبی صلی
علیہ وسلم قیامت کے دن اللہ کے سامنے لوگوں کے اعمال کی گواہی
دیں گے اور اس سے یہ دلیل اخذ کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
حاضر و ناظر ہیں لوگوں کے اعمال کو دیکھ رہے ہیں کیونکہ بغیر دیکھ کر
گواہی کیسے دیں گے لیکن قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روش سے یہ
حقیقہ قطعی غیر اسلامی اور شرک پر مبنی ہے۔ لوگوں کے اعمال کی گواہی
کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرا اخطام فرمایا ہے اسی سرفراز کے لیے
اس کے فرشتے ہر انسان کا تمام اعمال تیار کر رہے ہیں۔ چنانچہ قرآنی
آیات ملاحظہ ہوں۔

**وَرُفِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ
فِيهَا يَتَسَاءَلُونَ وَيَقُولُونَ مَا لَنَا مِنْ عَذَابٍ
يُعَاذِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَخْضَعُوا وَجْهَهُمْ
لِمَا عَمِلُوا خَاضِعُونَ وَلَا يَخْلُصُ مِنْهُمُ أَحَدٌ** "اور جب اعمال کی کتاب اکھوٹ کر رکھی جائے گی تو تم
جہنم کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہوگا اس سے ڈر رہے ہوں
گے اور کہیں گے کہ ہمارے پاس بدیہی یہ کیسی کتاب ہے کہ (ہماری)
کوئی چھوٹی یا بڑی بات ایسی نہیں رہی جو اس میں لکھی ہوئی نہ ہو جو
کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے حاضر ہیں گے اور نہ
رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔" (الہکف: ۴۹)

**وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَفَعَّلْنَا مَا تَشَاءُونَ مِنْهُ
وَكُنْ أَقْرَبَ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ إِذْ يَتَلَقَّى**

الْمُسْلِمِينَ مِنَ الْيَمِينِ وَكَانَ الشَّمَالُ قَبِيضًا
يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ

اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں جو نیات اس کے دل میں گزرتے ہیں اور ہم (تو) اس سے اس کی तरگ سے بھی قریب ہیں۔ جب (وہ کوئی کام کرتا ہے تو) دیکھنے والے (فرشتے) جو انسان کے دائیں بائیں بیٹھے رہتے ہیں کھیتے ہیں کوئی لفظ اس کی زبان سے ہمیں نکلتا (جس کو محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر یا شن گزران موجود رہو) (قرآن: ۱۷-۱۸)

اور اسی طرح انسان کے اعمال کی گواہی خود اس کے اپنے اعضا سے بھی لی جائے گی۔ اللہ فرماتا ہے۔

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُغْمِغِمُنَا أَيْدِيهِمْ
وَنُشْهِدُ أَرْبَابَهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ

آج (قیامت کے دن) ہم ان کے مونہوں پر بھر لگادیں گے اور جو کچھ یہ (دنیا میں) کرتے رہے تھے ان کے ہاتھ ہم سے بیان کریں گے اور ان کے پاؤں اس کی گواہی دیں گے۔ (یہین: ۴۵)

حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ
وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ
وَقَالُوا لَوْلَا دِهِم لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا فَمَنْ أَظْلَمُ
مِمَّنْ أَنْفَقْنَا النَّارَ نَقِي أَنْفَقَ كُلِّ شَيْءٍ

یہاں تک کہ جب وہ اس لاگ کے پاس پہنچ جائیں گے تو ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے اعمال کے بارے میں گواہی دیں گے اور وہ اپنے جسم کی کھالوں سے اپنی اعضا سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ جواب دیں گی کہ ہم کو اس اللہ نے ہونے کی طاقت عطا فرمائی ہے جس نے ہر چیز کو خلق بخشا ہے۔ (حکم النجمہ: ۲۱-۲۰)

ان آیات سے یہ بات پابہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ انسانی اعمال کی گواہی متعین فرشتوں کے ذریعے مرتب کی جائے والی اعمال ناموں پر مشتمل کتابوں سے لی جائے گی اور اس کے علاوہ انسانی جسم کے مختلف اعضاء بھی اللہ کے حکم سے قوت گواہی دیتے ہیں اس کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ لیکن جہاں تک انبیاء علیہم السلام کا تعلق ہے ان کی ذمہ داری اعمال پر گواہی دینا نہیں بلکہ اس معاملے پر گواہی دینا ہے کہ دعوت حق کو کوئی تک پہنچا دی گئی تھی۔ اس سلسلے میں قرآن کی آیات بالکل واضح ہیں۔

يَوْمَ يَخْسَعُ الْقَلْبُ لِلرَّسُولِ فَيَقُولُ مَاذَا
أَجَبْتُمْ ط قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ
الْغُيُوبِ

”جس دن اللہ (تمام) رسولوں کو جمع کرے گا پھر ان سے پوچھے گا کہ تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا گیا تو وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں تو یہی غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے۔ (المائدہ: ۱۰۹)

اس آیت سے تمام انبیاء علیہم السلام سے عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ اسی طرح جب عیسیٰ علیہ السلام سے یہاں کی گمراہی کے بارے میں پوچھا جائے گا تو وہ بھی اس سے برأت کریں گے۔

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ خُذْ
قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوا مِنِّي آلِهَةً مِنَ دُونِ اللَّهِ
قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي
بِشَيْءٍ إِنْ كُنْتَ تُفَاتِنِي فَعَلَىٰ عِلْمِكَ مَا تَعْلَمُ مَا جِئَ
نُفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ط إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ

الْغُيُوبِ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَتَى الرَّسِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ

”جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا (اپنا) معبود مقرر کرو۔ وہ جواب دیں گے کہ (ناک) تو پاک ہے۔ میرے لیے کب یہ مناسب تھا کہ میں اسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو تجھ کو معلوم ہوتا کہ تو جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تمہارے نفس میں ہے۔ بیشک تو بڑا غائب کا جاننے والا ہے۔ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا مگر اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا (وہ یہ) کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا اور تمہارا (سب کا) رب ہے اور میں جب تک ان میں رہا ان (کے حالات) پر گواہ رہا یعنی ان کے حالات سے باخبر رہا پھر جب تو نے مجھے اکٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگران تھا اور تو ہی ہر چیز پر گواہ ہے“ (النساء: ۱۵۷-۱۵۸)

یہ آیات اس سلسلے میں بالکل واضح ہیں کہ انبیاء علیہم السلام انسانوں کے اعمال پر گواہ نہیں ہوں گے۔ رہا یہ سوال کہ وہ کس بات کی گواہی دیں گے تو اس کا جواب اللہ کی کتاب کی آیات ہی سے ملاحظہ ہو:

وَكُذِّبَتْ لَكَ جَعَلْتُكُمْ أُمَّةً دَسَّطًا لَّتَكُونُوا شَهِدًا عَلَى النَّاسِ وَتَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا

”اور اسی طرح (اے مسلمانو!) ہم نے تم کو امت دسٹا بنا دیا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر گواہ ہوں“ (البقرہ: ۱۴۳)

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا“ پس اس روز کیا ہو گا جب ہم ہر امت میں ایک گواہ کو لائیں گے اور (اسے رسول) تم کو ان لوگوں پر بطور گواہ لائیں گے؟ (النساء: ۴۱)

فَيَوْمَ تَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَى هَؤُلَاءِ“ اور جس دن ہم ہر امت میں خود اپنی ہی سے ایک گواہ ان پر رکھ کر آئیں گے اور (اسے نبی) تم کو ان لوگوں پر بطور گواہ لائیں گے“ (النحل: ۸۹)

پس معلوم ہوا کہ قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی نوعیت کے لحاظ سے اس گواہی سے مختلف نہ ہوگی جس کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اور ہر امت پر شہادت دینے والے کو ازہر کو ملایا جائے گا اس لیے اگر گواہی اعمال کی مان لی جائے تو پھر ان سب کا مافرد ناظر ہونا بھی لازم آئے گا جب کہ اس کے برعکس اگر یہ گواہ صرف اس امر کی شہادت دینے کے لیے طلب یا کھڑے کئے جائیں گے کہ اللہ کی بات اس کی مخلوق تک کا حقہ پہنچادی گئی تھی تو یقیناً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہی گواہی دیں گے تاکہ لوگوں کے اعمال کی گواہی ہو۔ صرف یہ کہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کے خلاف بات ہے بلکہ اللہ کی صفات میں شرک بھی ہے۔

قرآن میں بیان کی گئی اس بات کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جو بخاری و مسلم اور دوسری کتب حدیث میں مختلف صحابہ کرام سے مروی ہیں اور جن میں مشترک طور پر بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ لائے جا رہے ہیں مگر وہ آپ کی طرف آنے کے بجائے جہنم کی

عرف دیکھ لے جا رہے ہیں۔ البتہ آپ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ یہ تو میرے راضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کس طرح تبدیلیاں کیں چنانچہ نبیؐ ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ بالا الفاظ کو دہرائیں گے۔

وَكُنْتُ عَيْنًا مِّنْ شَهِيدٍ اَمَّا وَفَتْ فِيْهِمْ اِلٰهٌ
کہ مالک! میں جب تک ان میں رہا ان کے حال سے واقف تھا وفات کے بعد کا مجھے کچھ علم نہیں۔ بعد کے حالات کا تو ہی مگر ان اور سرچیز پر گواہ ہے۔

قرآن و حدیث کے ان صریح اور غٹھوس دلائل کے مقابلے میں جب بدعتیہ لوگوں کو اپنے مشرکانہ عقائد کے حق میں کوئی دلیل نظر نہیں آتی تو پھر عالماذمکار کے دائیہ کا ایک اور مظاہرہ سامنے آتا ہے چنانچہ ایک اور چھوٹے نسخے کا سہارا لیتے ہوئے سورۃ البطل کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جا رہا ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيلِ کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار

نے اپنی والوں کو ساڑھ کیا کیا؟ اس آیت کے حوالے سے یہ دلیل دی جاتی ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر نہیں تھے تو آپ سے اس طرح خطاب کیوں کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اصل خطاب اہل قریش کے طرف کے عام لوگوں سے کیا گیا ہے۔ اس پر سے واقعہ سے اچھی طرح واقف تھے۔ قرآن میں بہت سے مقامات پر اَلَمْ تَرَ کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور ان (بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیے گئے الفاظ) سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بلکہ عام لوگوں کو خطاب کر کے دعوتِ مکرر ہے۔

مشکوٰۃ معظموں سورۃ ابراہیم: آیت ۱۲، الحج: آیت ۱۷، النور: آیت ۲۴، لقمان: آیت ۳۱، فاطر: آیت ۲۲ اور الزمر: آیت ۲۲ وغیرہ۔ ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے عام لوگوں کو ہی خطاب کیا گیا ہے اور ان کو دن رات مشاہدے سے گزرنے والی نشانہ بردار و نمک کر سنے کے لیے متوجہ کیا جاتا ہے کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو کس طرح بنایا اور زمین کو کس طرح بچھایا ہے۔ دن اور رات کس طرح ایک دوسرے کے تعاقب میں لگا رہا ہے۔ چاند، سورج اور تاروں کو کس طرح روشن کیا ہے۔ گہرے پانیوں کی سطح پر کس طرح عکاسی ہو کر کشتیاں دوڑتی پھرتی اور لوگوں کے لیے فائدے کا سبب بنتی ہیں۔ اور کس طرح آسمان سے پانی برسا کر زمین سے مختلف اقسام کے پھل اور فصلیں وافر مقدار میں پیدا کرنے کا انتظام ہوا ہے وغیرہ اور سورۃ النیل میں بھی ان الفاظ کو اسی لیے استعمال کیا گیا کہ اس وقت تک ایسے بہت سے لوگ حیات تھے جنہوں نے اس واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا لہذا "اَلَمْ تَرَ" کے بالکل واضح مفہوم کو محض اپنے مشرکانہ عقیدے کی موافقت میں غلط معنی پہنا کر بطور دلیل پیش کرنا اپنی جہالت، ہٹ دھرمی اور اللہ کے خوف سے ماری مرنے کا ایک اثبوت فراہم کرنے کے مترادف ہے کیونکہ اگر اس طرح اَلَمْ تَرَ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ مراد لی جائے تو پھر سورۃ نوح کی درج ذیل آیات کے بارے میں کیا تاویل کی جائے گی۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ
طَبَاقًا وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ النُّجُومَ
مِنْ اَجَاہٍ کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمان کیلئے
ایک تہ بنائے اور ان میں چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا
(نوح: ۱۵-۱۶)

پہنچنے اَلْکُمْ سَر کو اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر ناظر ہونے کے لیے دلیل بنایا جاتا ہے تو پھر اَلْکُمْ سَر دُا سے پوری قوم نوح ماضی و ناظر قرار پائے گی اور وہ بھی بلا تفریق کا نذر مشرک ہونے کے۔

ظاہر ہے اللہ کی کتاب اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور توہین پر غصہ ہونے والی یہ صورت حال صرف انہی کے لیے تباہی تسلیم ہو سکتی ہے جو دین داری کے بارے میں دکان داری کا گھنٹا دُنا کھیل کھیتے ہیں۔ دنیا کی عزت اور

شہرت کا حصول جن کا مقصد دنیا ہے اور آخرت کی قربانی کے احساس سے جن کے دل خالی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس دام ہم رنگ زمین کی مکاری اور ہلاکت خیزی سے اپنے بندوں کو محفوظ فرمائے اور انہیں ہمت اور توفیق دے کہ وہ فرقہ داریت اور شخصیت پرستی کی سطح سے بلند ہو کر خالص ہدایتِ ظہری کے جذبے سے سرشار قرآن و حدیث کا مطالعہ کریں اور ان کی تعلیمات پر غور و فکر کر کے دنیا و آخرت میں ان کی برکات سے صحیح معنوں میں فائدہ حاصل کر سکیں۔ آمین!



خصوصی اپیل

تحریکی ساتھیوں سے گزارش ہے کہ وہ ڈاکٹر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے سوال و جواب کے سلسلہ کو کیسٹوں سے تحریر میں منتقل کر کے جیل اللہ میں اشاعت کے لئے ارسال فرمائیں۔ اگر تحریر صاف اور کشادہ الفاظ میں ہو اور جوابات میں بیان کی گئی قرآنی آیات و احادیث کے حوالہ جات بھی مندرج ہوں تو یہ خصوصی تعاون ہوگا جس کے لئے سبقتی شکریہ کے مستحق اور عند اللہ ناجور ہوں گے۔ انشاء اللہ

(ادارہ)

قرآن الفاتحہ خلف الامام

تحریر: حکیم محمد رمضان + رحیم یار خان (ترجمہ محمد پناہ)

وَرَادَ اقْرَئِ الْقُرْآنَ فَاسْتَجِوْا لَدُنَّ
اَللّٰهُمَّ اَعْلَمْكُمْ تَزَكَمُوْنَ

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سُنو اور
غاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (الاعراف: ۲۰۴)

رب العالمین کا بیحد احسان ہے کہ اس نے اپنے بڑی
نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب ہدایت ازل فرمائی اور قیامت
تک اس کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ اس کی عملی تشریح و توضیح کے
لیے نبی علیہ السلام کے قول و عمل کو صحیح احادیث کی شکل میں
ہم تک پہنچا دیا۔ اس طرح طالبانِ مروتی کے ایمان و عمل کی
حفاظت کے لیے مکمل و مستحکم انتظام فرما دیا۔ اس مقصودِ الہی
کو سمجھنے اور اس حقیقی نعمت کو پہچاننے والا ارحم الراحمین کا
ہفتا بھی شکر ادا کرے کم ہے! لیکن انہوں نے اس نازل کی اکثریت
نے مالک الملک کی اس نعمت کی قدر ہی نہ کی۔ دنیا کی رنگینیاں و
دلفریبیں نے صبرِ آخرت کے جذبہ کو ماند کر دیا دینی انحطاط
کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے دوری ہوئی گئی
یہاں تک کہ آخرت کی فلاح و کامرانی کی ابارہ داری احبار و یہاں
کو سوپ دی گئی ان کی ہر بات کو تنقید سے بالا تر سمجھ کر منزلِ من

اللہ کا درجہ دے دیا گیا گویا ان احبار و رہبان کو یہود و نصاریٰ
کی طرح ابراہام بن دون اللہ بنا دیا گیا۔ (ملاحظہ ہو سورہ توبہ ۳۱)
یہ گردن جبر کو علمِ دین سے آراستہ ہو کر تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ
انسانیت کی رہنمائی کا حق ادا کرنا تھا، شیطان کی کاری داری سے
بچنا تھا جو کہ دنیوی جاحلوت اور شان و شوکت کا دیوانہ ہو گیا۔
دین کو پیش کرنا کہ اس کو دنیا کے حصول کا ذریعہ بنایا اور پھر اس
کا دوبارہ فروغ کے لیے لوگوں کو گرد و مہل میں تقسیم کر کے اللہ
کے راستہ سے بھٹکانے لگا۔ بالآخر یہ ایمان کی نعمت کے
ناقد رہے، قبر پرستی کے شائق، تعین و گنڈے کے معتقد،
اور شرک و بدعات کے دسیا گرد وہی اور مسکی اختلافات کے
بندھنوں میں پھنس کر باہم دست و گریبان ہو گئے! رفیعِ یدین و
عدم رفیعِ یدین! مین بالجبر اور اسی نوع کے دیگر مسائل جو قرون
اولیٰ سے پہلے آرہے ہیں اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔
ان کی تردید و تائید پر مسکی گروہ بندی کا بنیاد رکھی گئی۔ ربِ کریم
نے ان ہی قریب کار احبار و رہبان سے ہوشیار رہنے کی
ہدایت فرمائی ہے (سورہ توبہ ۳۴) اور تفرقہ پر دازی کی اس
جاہلانہ ہمت کا دردش کو اختیار کرنے سے روکا ہے (الکلام

کا دعویٰ ہے۔ سورہ اعراف فی مندرجہ بالا کتب میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ ”جب قرآن پڑھا جائے تو اسے خود سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر دم کیا جائے۔“ ظاہر ہے کہ انصاف استماع (خاموش رہنے اور غور سے سننے) کا یہ حکم عمومی ہے اور اس میں کوئی اشتہار نہیں ہے۔ اہل حدیث فرقہ کے علمائے متاخرین کا یہ قول کہ قرآن فی الصلوٰۃ اس حکم سے مستثنیٰ ہے قطعاً بے دلیل ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل مطور میں صحیح احادیث سے ثابت کیا گیا ہے۔ پہلے اس سلسلہ میں صحیح احادیث پیش کی جاتی ہیں اور بعد میں صحابہ رضہ اور علمائے کبار کے فتاویٰ پیش کئے جائیں گے جن سے حتمی طور سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ جہری رکعات میں تو قرأت خلف الامام ممنوع ہونے پر سلف صالحین کا اجماع ہے اور سری رکعتوں میں بھی اکثر مقتدی کی قرأت کے خلاف ہیں:-

۱۔ عن ابی موسیٰ اشعرئیؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبنا فبین لنا منقلاً وعلماً صلواتنا فقال اذ اصلبکم فارقہوا صفوفکم ثم یومئکم احدکم فاذاکبر فکبروا

یعنی مقتدین میں اہل حدیث کے امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ وقول الجہور صوالصیحیم فان اللہ سبحانہ قال واذ اقموا القرآن فاستمعوا لکذکونفستوا علیکم ترجمہ: اور جمہور کا قول صحیح ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر دم کیا جائے۔ احمد بن حنبل نے کہا کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت کا شان نزول مسلوٰۃ ہے۔

۳۱-۳۲) یہ اسی گروہ بندی کا نتیجہ ہے کہ اللہ کے بندے کج اپنے اپنے مملکت کے اکابرین کے پرستار بن کر رہ گئے اور ان کے دفاع میں لگ کر اللہ کے وقار اور اس کے دین سے بے پرواہ ہو گئے، آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ سے بے اعتنائی برتی جانے لگی اور جیدہ صحابہ پر زبان طعن دراز ہونے لگی۔ ہر چند کہ خالص اللہ کے دین کی دعوت دینے والے توحید و سنت رسول کی مخالفت پر ہی اپنی توانائی صرف کرتے ہیں اور ان اختلافی مسائل میں الجھنے سے گریز کرتے ہیں لیکن جب ایمان و عقیدہ سے عاری اعتصام سنت کے جھوٹے دعویدارانیہ پیشہ ور ماہرین فریب کاری اور انفر پر دازی میں حصہ سے تجاویز کرنے لگیں تو پچھے مومنوں کی رہنمائی اور ان کے اطمینان قلب کے لیے قرآن و حدیث کی روشنی میں ان مسائل پر قلم اٹھانا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ ان نزاعی مسائل میں سے ایک مسئلہ ”قرأت الفاتحہ خلف الامام“ ہے۔ جس کی مندرجہ ذیل مطور میں قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت کی گئی ہے۔

بلاشبہ قرأت سورۃ فاتحہ ہر رکعت میں واجب ہے۔ فریہ اور جماعت میں امام پر لکھنا اب انفرادی صلوٰۃ میں رکھنا یہ ہے کہ صلوٰۃ باجماعت میں مقتدیوں کے لیے سورہ فاتحہ کی تلاوت کہاں تک ضروری ہے اور کیا اس حالت میں عدم تلاوت سے صلوٰۃ واقعی باطل ہو جاتی ہے یا ناقص رہ جاتی ہے جیسا کہ بعض مملکت پرستوں

لے ”یہ اور بات ہے کہ اہل حدیث عالم شوقانی کا فتویٰ ہے کہ سورۃ فاتحہ پوری صلوٰۃ میں ایک مرتبہ واجب ہے ہر رکعت میں نہیں۔“

(خیل الاوطار جلد ۲ ص ۱۳۴)

وَإِذَا قَالَ خَيْرًا مَفْضُوبٍ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ
فَقُولُوا آمِينَ - (مسلم ج ۱ ص ۱۴۳)
ترجمہ:-

"ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا ہمارا طریقہ ہمیں سمجھایا، صلوٰۃ کی ادائیگی سکھائی۔ فرمایا جب تم صلوٰۃ قائم کرو بائیں سنو اور دست کرو پھر تم میں سے ایک شخص امام بنے۔ جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ غیر المعضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔"

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ جہری رکعت میں مقتدی کو اللہ اکبر کہہ کر خاموش رہنا ہے اور ولا الضالین سن کر تو آمین کہنا ہے۔ مسلم میں دوسری جگہ اس امر کے کیا تھا اس کو نقل کیا گیا ہے کہ "وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ وَاصْذَكِّرْ" امام قرأت کرے تو خاموش رہو۔ اسی کی تفسیر تفصیل نیچے آ رہی ہے۔ (صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۴۳)

اسی طرح کی روایت ابو داؤد، ابن ماجہ اور دیگر کتب احادیث میں بھی موجود ہے سنائی لے اس پر باب باندھا ہے "تأويل قوله عز وجل وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ وَاصْذَكِّرْ لَعَلَّكُمْ تَخْشَوْنَ" اور اس باب میں تین احادیث لائے ہیں۔

۱۔ عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّمَا يُجْعَلُ الْإِمَامُ لِيُؤْتِيَ نِعْمَ بِيَوْمٍ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَرَأَ فَاسْتَعِذُوا وَإِذَا قَالَ مَعَ اللَّهِ لَمْ يَمْضِهِ فَقُولُوا آمِينَ وَلَكَ الْحَمْدُ۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام اسی لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو

اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔) امام مسلم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور فرمایا کہ "میرے نزدیک یہ صحیح ہے کہ جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو۔" (صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۴۳)

۲۔ عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّمَا الْإِمَامُ لِيُؤْتِيَ نِعْمَ بِيَوْمٍ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَرَأَ فَاسْتَعِذُوا۔ (ابن علیہ السلام نے فرمایا کہ امام اسی لیے ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو خاموش رہو۔)

۳۔ عن ابی الدرداءؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَا أَدْنَى الْإِمَامِ إِذَا أَمَّ الْقَوْمَ إِلَّا كُنْهًا صَدْرًا۔ (جب کسی قوم کا کوئی امام ہو تو وہ امام مقتدیوں کے لیے کافی ہے۔) (سنائی جلد ۱ ص ۱۴۳)

اسی طرح جہری قرأت میں اعتنا کے سلسلہ میں امام انکب مؤطا میں ابو ہریرہؓ سے روایت لائے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے صلوٰۃ سے فارغ ہو کر فرمایا:-

"حُصِّلَ قَدْرًا مِّنْ حَيِّ مَنَکُمْ أَحَدٌ أَيْضًا فَقَالَ رَجُلٌ نَّحْمُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي أَقُولُ مَا لِي أُنَادِئُ الْقُرْآنَ فَإِنَّهُنَّ النَّاسُ عَنْ الْقُرْآنِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا يَخْشَوْنَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْقُرْآنِ حِينَ تَمَجُّوهُ وَإِذَا لَمْ يَنْدِئُوا بِالْقُرْآنِ حِينَ تَمَجُّوهُ فَإِنَّهُنَّ النَّاسُ عَنْ الْقُرْآنِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قرأت کی تھی ایک

کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اس سے نصیحت حاصل کرنی اور پھر وہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے۔

(ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۲۵)

عبداللہ بن ابی موسیٰ نے روایت کیا کہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن القراءۃ خلف الامام بنی علیہ السلام نے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (مسند عبدالرزاق جلد ۳ ص ۳۹) دوسری روایت میں موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واما میکرو وعمرو و عثمان بن عفان ینہون عن القراءۃ خلف الامام۔ بے شک بنی علیہ السلام والہ بکرو وعمرو عثمان رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ (مسند عبدالرزاق جلد ۲ ص ۱۳۹)

جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے مقدم نے پوچھا "اقتراء خلف الامام فی الظہر والحصر شیئاً فقال لا" کیا آپ امام کے پیچھے ظہر و حصر میں کچھ قرأت کرتے ہیں تو انھوں نے فرمایا "نہیں"۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۲ ص ۱۴۱)

ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ بنی علیہ السلام نے فرمایا "من کان لہ امام قواۃ الامام قواۃ کذا" (جو شخص امام کے پیچھے صلوٰۃ ادا کرے تو امام کی قرأت سے مقتدی کی قرأت ہے۔) (ابن ماجہ ص ۱۱)

اسی مضمون کی ایک اور روایت جس کو صحابہ کی کثیر تعداد نے روایت کیا ہے اس کے الفاظ ہیں "من صلی خلف

صاحب نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا میں بھی تو سوجھتا تھا کہ مجھے قرآن کی قرأت میں کیوں کنگھڑی ہو رہی ہے پھر لوگ بنی علیہ السلام کے ساتھ جہری قرأت کے دوران قرأت کرنے سے رک گئے جب سے آپ سے یہ بات سنی (موطا امام مالک ص ۲۹)

ابوداؤد کی تشریح کے مطابق یہ صلوٰۃ الفجر کا واقعہ ہے جس میں صحابہ کی کثیر تعداد ہوتی تھی لیکن قرأت صرف ایک شخص نے ہی کی تھی اور اس کو بھی ناپسند کیا گیا۔ پھر جہری رکعات میں قراءۃ خلف الامام مطلق ترک کر دی گئی (یعنی بنی علیہ السلام کی حیات ہی میں)

اب ستر کی رکعات کے سلسلہ میں احادیث ملاحظہ ہوں۔ امام مسلم عمران بن حصین سے روایت کھتے ہیں کہ بنی علیہ السلام صلوٰۃ الظہر پڑھا رہے تھے کہ ایک صاحب سورہ اعلیٰ پڑھنے لگے تو بنی علیہ السلام نے فارغ ہو کر فرمایا۔

"ایکم قدا اذا یکم القادی" قال رجل انا فقال قد کفنت ان بعدکم خا لجنیتھا

(تم میں سے کس نے قرأت کی تو ایک صاحب نے عرض کیا میں نے تو آپ نے فرمایا میرا خیال تھا کہ تم میں سے کسی نے مجھے انجمن میں مبتلا کر دیا ہے۔)

(صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۴۲)

یہ روایت ابوداؤد و نسائی وغیرہ میں بھی ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ ستر کی میں بھی صرف ایک صحابی نے قرأت کی اور آپ نے مطلق قرأت کو ناپسند فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ سورۃ الفاتحہ پڑھ لیا کہ دور امام زہری اس حدیث کی تشریح

نہ ہوتی تو نبی علیہ السلام ان کو اعادہ کرنے کی تلقین فرماتے اور آپ کے الفاظ کچھ اس طرح ہوتے کہ صلوٰۃ دہر او تمہادی صلوٰۃ نہیں ہوئی۔ ایک دوسری مثال بھی قابلِ غور ہے۔ عباسؓ فرماتے ہیں کہ بیارہی کے دوران نبی علیہ السلام نے ابوبکر صدیقؓ کو امامت کا حکم دیا۔ پھر جبکہ وہ امامت فرما رہے تھے تو نبی علیہ السلام کو مسجد میں لے جایا گیا۔ آپ صفوں کو چیتے ہوئے امامت کی جگہ پہنچ گئے۔ ابوبکر صدیقؓ نے پیچھے جھٹا پایا مگر آپ نے ایک طرف ٹھہرنے کا حکم فرمایا۔ عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ کے آنے سے قبل ابوبکرؓ سورہ فاتحہ کا کچھ حصہ یا مکمل فاتحہ تلاوت فرما چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ سے تلاوت شروع کی جہاں سے ابوبکرؓ نے چھوڑی تھی۔ غور طلب بات ہے کہ اگر ابوبکرؓ کی قرأت نبی علیہ السلام نے کافی نہ سمجھی ہوتی تو آپ اس کا اعادہ فرماتے ورنہ بغیر فاتحہ آپ کی صلوٰۃ ناقص رہتی۔ اہم غور یہی ہے کہ واضح روایت کے باوجود مسلک کے دفاع کے لیے قیاسی گھوڑے دوڑائے جاتے ہیں کہ شاید آپ نے وہ رکعت حسین فاتحہ مکمل رہی دوبارہ پڑھ لی یا مسجد میں داخل ہوتے ہوئے سورہ فاتحہ پڑھ لی ہو۔

قرأت خلف الامام کے امتناع میں اُیت قرآنی اور متعدد روایات کے مقابل میں بخاری کی ہذا روایت کو مسلک کے پرستار بنیاد بناتے ہیں، اس کے الفاظ ہیں "لاصلوٰۃ لِمَن لَّمْ یَقْرَأْ بِمَا تَحَدَّثُ الْکِتَابُ" جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی صلوٰۃ نہیں ہوئی۔ اس کے بارے میں اسلاف کا فیصلہ ہے کہ یہ انفرادی صلوٰۃ کے لیے ہے نہ کہ صلوٰۃ خلف الامام کے لیے جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث سے ثابت ہے۔

الامام فقرأت الامام قراءۃ لہ" اس کے راویوں میں جابر بن عبد اللہؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، ابوسعید خدریؓ، ابوہریرہؓ، ابوبکر عیاضؓ اور انس بن مالکؓ شامل ہیں (یعنی شرح بخاری جلد ۶ ص ۱۲)

امام مالک روایت کرتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن عمرؓ سے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں پوچھا جاتا تو آپ فرماتے "اذا صلی احدکم خلف الامام فحسیہ قراءۃ الامام اذا صلی وحده فلیقرأ" (وكان ابن عمر لا یقرأ خلف الامام) یعنی جب کوئی شخص امام کے پیچھے صلوٰۃ ادا کرے تو امام کی قرأت اس کے لیے کافی ہے لیکن اگر تہنا ہو تو قرأت کرے اور ابن عمرؓ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔ (موطا امام مالک ص ۲۹)

ابن خود معلّم شریعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ملاحظہ فرمائیے:-

حسن البصریؒ ابوبکرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام امامت فرماتے ہوئے رکوع میں گئے تو ابوبکرؓ کا جماعت میں شامل ہونے اس حالت میں کہ جماعت میں شامل ہونے سے قبل ہی انھوں نے رکوع کر لیا تھا اور رکوع کی حالت میں ہی جماعت میں شامل ہوئے یہ بات نبی علیہ السلام کے سامنے پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ "ذا دن اللہ حرساً ولا تحذّر" یعنی اللہ تعالیٰ تیری حرم کو اور زیادہ کرے اب تو اعادہ نہ کرنا یعنی تیری صلوٰۃ ہو گئی اب اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۲۱)

غور کیجئے اگر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کے بغیر صلوٰۃ مکمل

تھے ان میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ ابو بکر، عمر، عثمان،
علی، عبد الرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، عبد اللہ بن
مسعود، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ
عنہم اجمعین۔ (یعنی شرح بخاری جلد ۶ ص ۱۳)

جہاں تک ابوداؤد کی روایت کا تعلق ہے کہ نبی علیہ
السلام نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھو یہ حدیث
بہ حدیث ہے اس کا ایک راوی محمد بن اسحق بن یسار ہے
جس کے بارے میں محدثین کی آراء مندرجہ ذیل ہے۔

قال النسائي وحديثه "ليس بالقوي"

قال الدارقطني لا يحتج به

(یہ حجت نہیں)

قال ابوداؤد "قد روى معتزلي"

قال سليمان بن السيمي "كذاب"

مسلم بن عروہ يقول "كذاب"

قال مالك "انظر الى رجال من الرجال"

(دیکھو کہ رجالوں میں سے ایک رجال کو)

اس کے علاوہ ایک روایت میں ایک راوی کھول ہے جن کو

محدثین کی جماعت نے ضعیف کہا ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۲۲۵)

ایک راوی خثیم بن حمید ہے جو ضعیف بھی ہے اور قدری بھی

(میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۳۳۱)

ایک راوی محمد بن مسلمہ "ضعیف ہے" (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۲۲۵)

اس سلسلہ میں ابی حدیث کے امام ابن تیمیہ کی رائے بھی ملاحظہ

ہو۔ ترجمان میں قال الخوارج من الطرفين لكن

الذين ينهون عن القراءة مع الامام مصم

جمهم السلف والخلف ومعهم الكتاب

۱۔ بخاری کی مندرجہ بالا حدیث کے راوی سفیان بن
عیینہ کہتے ہیں کہ یہ "لین یصلی وحده" اس کے
یہ بے حراکیلا صلوٰۃ ادا کرے۔ (ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۱۹)

۲۔ اس حدیث کا تعلق اس شخص کے ساتھ ہے جو اکیلا
نماز ادا کرے۔ (موطا امام مالک ص ۱۹) (صحیح ترمذی ص ۶)

۳۔ جابر بن عبد اللہ نے اس حدیث کا مطلب بیان کرتے
ہوئے فرمایا "من صلی رکعة لم یقرأ فیہا یا تم

القرآن فلم یصل الا ان یکون وراة الامام"

جس نے ایک رکعت بھی اس طرح پڑھی کہ سورہ فاتحہ نہ پڑھی

اس کی نماز نہیں ہوئی الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو (یعنی امام کے

پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنا درست ہے)

(ترمذی جلد ۱ ص ۱۹) موطا امام مالک باب ما جاء فی أم القرآن

جابر بن عبد اللہ کی اس حدیث کو نقل کر کے امام ترمذی نے فرمایا

"هذا حديث صحيح" (ترمذی جلد ۱ ص ۱۹)

کاتب دجی زید بن ثابتؓ کا اس سلسلہ میں حتمی فتویٰ

بھی ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں "لا قراءة مع الامام

فی رکعة" یعنی امام کے ساتھ صلوٰۃ میں کوئی قرات نہیں۔

(صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۱)

مندرجہ بالا روایات قطعیت سے ثابت کر دیتی

ہیں کہ جہری صلوٰۃ میں تو امام کے پیچھے قرات کرنا سراسر قرآن و

سنت کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ اپنے مسلک کے دفاع

کے لیے سکھاتے کی ضعیف و مبہم روایات کا سہارا بکڑاؤں اور پستی

وہٹ دھرمی کا تین ثبوت ہے۔ ستر کی رکعات میں بھی صحابہؓ

کی کثیر تعداد قرات خلف الامام کی مخالفت تھی۔ انہی جلیل القدر

صحابہؓ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے سے سختی سے منع فرماتے

وَالسُّنَّةُ الْقَصِيحَةُ وَالَّذِينَ أَوْجَبُوا
حُجَّاتِهِمْ قَدْ ضَلُّوا قَدْ ضَلُّوا
الْأُمَّةَ - اس مسئلہ میں نزاع تو طرین سے ہے لیکن وہ
لوگ جو امام کے پیچھے قرأت سے منع کرتے ہیں وہ جہور ہیں
خلف ہیں اور ان کی تائید کتاب اللہ اور صحیح حدیث سے
ہوتی ہے اور جو لوگ مقتدی پر قرأت کو لازم قرار دیتے ہیں تو
ان کی حدیث کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲ ص ۳۳۳)

مندرجہ بالا سطور میں پیش کردہ دلائل یہ ثابت کرنے کے

لیے کافی ہیں کہ جہری رکعات میں خلف الامام کسی بھی قرأت کے
امتناع پر صحابہؓ اور سلف صالحین کا اجماع ہے اور سب سے
رکعات میں بھی اکثریت مقتدی کی قرأت کے خلاف ہے۔
اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک کی عینک آنا کر ہٹ دھری
کی روش سے مجتنب ہو کر صحیح موقف کو اپنا یا جائے ورنہ
اس دارالامتحان میں باطل کو حق ثابت کرنے کے پیشہ دشمنین
کو خوشامقاصد تو ہمیشہ ہی ملتے رہتے ہیں! اللہ رب العالمین
مگر وہی بندہ صوفی کو تو ذکر سنت رسول کے اتباع کی توفیق و احسن
مرحمت فرمائے۔ آمین

ہیں تاکہ وہ دنیا والوں کو بتائیں۔ سورۃ الجن میں آتا ہے۔ عَلِمَ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا
مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِهِ - (وہی) غیب کا علم رکھنے والا ہے اور وہ کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔ مگر اپنے جس رسول کو
اس کے لئے پسند فرمائے۔ (آیت نمبر ۲) علم غیب اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں۔ وہ صرف اپنے رسولوں میں سے جس پر چاہتا
ہے اس میں سے کچھ ظاہر کر دیتا ہے۔ سورۃ آل عمران میں اللہ فرماتا ہے۔ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْهِرَ عَنْكَ الْغَيْبَ
وَلَكِنَّ اللَّهَ يُبَيِّنُ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ رَسُولِهِمْ مَنْ يَشَاءُ اور اللہ تم کو غیب کی باتوں سے مطلع نہیں کرتا البتہ اللہ اپنے
رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کے لئے چن لیتا ہے۔ (آیت نمبر ۱۷۹) معلوم ہوا کہ اللہ غیر رسول کو غیب کی اطلاع بھی نہیں کرتا
صرف اپنے رسولوں کو بتا دیتا ہے کہ رسالت کی ذمہ داری کو خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کرنے کے لئے ان کو ضرورت ہے یا خیر کر دیتا ہے۔
سوال: خواہش نفس کو اپنا معبود بنانے کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں۔

جواب: آج بھی ایمان کے دعویداروں کے اندر ایک طرف کلمے کا اقرار ہے لیکن اس کے معنی کو صحیح طور پر سمجھ کر اس کے
تعلق سے کو پورا نہیں کر پاتے۔ چنانچہ اگر کوئی مسئلہ جو جملے وجود دل میں آجائے گا جس میں اپنے لئے دنیا کی بھلائی سامنے آجاتی ہے
وہی اختیار کر لیا جاتا ہے چاہے ایمان کا تعلق اس کے برعکس ہی کیوں نہ ہو یہی خواہش نفس ہے۔ پھر اللہ کی بات یاد بھی لائی
جائے یا خود بھی یاد آجائے تو اس کی پروا نہیں کی جاتی۔ یہ گویا اپنے نفس کو معبود بنا لینا ہے۔ اگر کوئی اس کو صحیح سمجھے تو خالص کافر و شرک
ہے ورنہ گناہگار ہے جیسے ہر گناہگار ہوتا ہے کہ نفس سے غلبہ ہو کر کوئی غلط کام تو کر لیتا ہے لیکن اس کو بُرا جانتا ہے باقی جو باطل
گم ہو جائے اور اللہ اور اس کے رسول کی بات کی اس کی نگاہ میں کوئی وقعت نہ ہو اور سمجھے کہ جو میں کر رہا ہوں یہی صحیح ہے تو یہ
خواہش نفس کی اصلی پیروی ہے اور ایسا شخص مومن نہیں ہو سکتا۔

مثل آدم یا مثل مرزا

محرر: فقیر اللہ، کراچی

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا
أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۚ
(سورۃ النحل: ۳۶)

”اور ہم نے ہر قوم میں پیغمبر بھیجا (تاکہ وہ یہ دعوت اٹھائے) کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت (کی بندگی) سے اجتناب کرو۔“

پہنچا پھر انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے اسی فرقہ میں جو ادا کرتے ہوئے اللہ کے پیغمبر صلی علیہ السلام نے بھی بنی اسرائیل کے سامنے کائنات کی اسی سب سے سچی، اچھی، و موزنی اور پیاری بات کو پیش کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَدَعَا عَبْدِي دَعَا هَذَا
صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۚ

”بلاشبہ اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے پس اس کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔“ (ال عمران: ۵۱)

عیسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک سے یہ مبارک الفاظ نکلے ہی بنی اسرائیل تھلا اٹھے، ان کے جہروں کی رنگت بدل گئی، طاغوت کے پجاری طاغوت کے لیے لڑنے پر تیار ہو گئے، دوستی

دشمنی میں بدل گئی، رشتے اور نامے ٹوٹ گئے، ان کے جڑے کھلے اور آواز بے لگام ہو گئی، صادق کو جھٹلایا گیا، ملامت کرنے والے بھی خاموش بند رہے۔ وہ اور محترم جنہیں اللہ نے دنیا کی عزتوں میں مٹھ کر ”پاک“ صدیقہ کے القاب سے نوازا تھا، ہدفِ ملامت بنیں ہو، بنی اسرائیل نے اللہ کے پیغمبر کو جی بھر کے سنایا، مگر اللہ کا پیغمبر صبر کا پیکر بن کر سب کچھ ستا رہا اور چٹھیں کھا کر بھی دوس تو میدانِ تیاریاں ہی تو یہ ہے کہ ابنِ مریم علیہ السلام نے (قرآن کی) یہ بات اپنے غم سے سچ کر دکھائی کہ اللہ کے مومن بندے اپنے لیے نہیں بلکہ اللہ کے لیے لڑتے ہیں، جس کی شہادت قرآن دیتا ہے۔
الَّذِينَ آمَنُوا لَيَقَاتِلُنَّ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ

”جو مومن ہوں وہ تو اللہ کے لیے لڑتے ہیں۔“

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَيَقَاتِلُنَّ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ
”اور جو کافر ہیں وہ تو طاغوت کے لیے لڑتے ہیں۔“ (النساء: ۷۶)

دنیا کے مالک کا تو فرمان یہ ہے کہ شرک ظلمِ عظیم ہے۔

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۚ (لقمان: ۱۳)

مگر اللہ کی اس دنیا میں ایسے لوگوں کی بہت بڑی تعداد ہے (اور ہمیشہ رہی ہے) جو اللہ کے اس فیصلے کو کوئی اہمیت نہیں دیتی بلکہ باغیانہ روش اختیار کر کے شرک کے شجرِ نعیمت کو پھلنے اور پھولنے کا موقع

فرام کرتی ہے اور اس کے ہلاکت غیر اثرات سے انسانیت کو بچانے کے لیے اسے بڑے اکھاڑ بھیکنے والے فرخ خواہوں کو سب سے بڑا مجرم تصور کرتی ہے۔ اس حقیقت کا ثبوت تو اس تاریخی واقعہ سے بھی مل جاتا ہے کہ جن دنوں اللہ کے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی قید میں تھے اپنی دونوں بہنوں ایک ڈاکو بھی ان کی قید میں تھا اس وقت کے حکمران پیلطس نے جشن کے موقع پر یہود سے کہا کہ آج تمہاری عید کا دن ہے اور کس طور کے مطابق میں منرائے موت کے جوڑوں میں سے ایک کو چھوڑنے کا اختیار رکھتا ہوں۔ میری قید میں عیسیٰ بن مریم اور برابرا ڈاکو ہیں تباؤ دونوں میں سے کس کو چھوڑوں؟ پورے مجمع نے بیک آواز ہو کر کہا برابرا ڈاکو کو چھوڑ دیا جائے اور عیسیٰ بن مریم کو چھانسی دی جائے (متی: باب ۲۷) گویا ان کے نزدیک شرک و کفر کا تذکرہ، طاعت سے کنارہ کش ہو کر الٰہ واحد کی بندگی کی عزت دینا، لوگوں کی عزت و آبرو اور مال و دولت پر ہلکا ڈٹنے سے زیادہ سنگین جرم تھا اور اس کی منہ گردن دہنی سے کم ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اسی لیے بنی اسرائیل نے ڈاکو کی سفارش کر کے اسے قید سے رہا کر دیا جبکہ اللہ کے پیغمبر کو قید رہنے دیا گیا۔

اس کے بعد بنی اسرائیل نے یہ منصوبہ بنایا کہ خود کھانا کھائیں اور عیسیٰ علیہ السلام کی توجہ کو ان کے جسم سے کس طرح، کس جگہ اور کس وقت جدا کیا جائے اور اس منصوبہ پر بنی اسرائیل نے کس طرح عمل کیا، کیا کچھ ہوا، اس بارے میں اللہ کی آخری کتاب صرف دو عقائد کی نشاندہی کرتی ہے۔ اول یہ کہ یہود کے قول کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا اور دوم یہ کہ عیسائیوں کے کہنے کے مطابق عیسیٰ بن مریم کو صلیب دی گئی۔ قرآن میں ان کے یہی دو عقائد ملتے ہیں جن کا اللہ نے یہ فرام کر دیا ہے کہ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتَلُونَ اور تم انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا (جیسا

کہ یہودیوں کا دعویٰ ہے) وَمَا صَلَبُوكُمُوهُ اور نہ ہی انہیں صلیب پر چڑھایا (جیسا کہ عیسائیوں نے دعویٰ کیا ہے) وَلَكِنْ شَكَّيْتُمْ وَلَقَدْ كُنتُمْ تَكْتَلُونَ "بلکہ معاملہ کو ان کے لیے مشتبه بنا دیا گیا (النساء: ۱۵۷)

اس کے علاوہ کوئی تیسرا عقیدہ قرآن میں نہیں ملتا جیسا کہ مالک کا فرمان ہے۔ اِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَنْقُضُ عَلَىٰ كِبَرٍ اِسْرَآئِيلَ الَّذِي هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ کہ بیشک یہ قرآن بنی اسرائیل کے بارے میں اکثر ایمان، جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں، بیان کرتا ہے۔ (النمل: ۷۶)

قرآن سے ثابت ہوا کہ بنی اسرائیل کے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہی دو نظریات تھے یعنی قتل اور صلب، ان کی طبعی موت کا کوئی قائل نہ تھا۔ جیسا کہ قادیانیوں اور مشرکین کی حدیث کا دعویٰ ہے کہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو طبعی موت دی ہے۔ معلوم ہوا کہ ان کی طبعی موت کا نظریہ بعد کی پہچان اور ہے جس کا تہققت سے کوئی تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مذکورہ بالا گمراہ کن نظریہ کو مکرر اور پُر زور الفاظ (وَمَا كُنْتُمْ تَكْتَلُونَ) میں رد کرتے ہوئے اصل حقیقت کی طرف واضح اشارہ فرمایا ہے کہ

بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيْمًا (النساء: ۱۵۸)

"بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھایا اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے"

اس طرح یہ فرما کر عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی موت کے عقائد سے پیدا ہونے والے تیسرے نظریہ کی جڑ کاٹ دی۔ اور اپنی طرف اٹھائے جانے کے ساتھ عَزِيزًا حَكِيْمًا کے الفاظ لاکر مالک نے اٹھائے جانے کو ایک خاص اہمیت دی ہے

جو غیر معمولی کام کی طرف اللہ کا اشارہ ہے۔

کلام اللہ کی مذکورہ آیات سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ جو کچھ بھی ہوا، وہ قتل و صلب کے اسی مشہور واقعہ میں ہوا، اس لیے عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں رہنے کے پہلے باب کو بذکر کے بات کو اسی واقعہ تک محدود رکھنا قرآن و حدیث سے صحیح معلوم ہوتا ہے چنانچہ اگر بات کو بحث برائے بحث کے لیے آگے بڑھانے کے بجائے اسی واقعہ تک محدود کر دیا جائے تو عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی موت کا عقیدہ یہیں دم توڑ دیتا ہے لیکن اگر قرآنی آیات کو تزکیہ کا ذریعہ بنانے کے بجائے ان کے اصل سیاق و سباق اور

شارح علیہ السلام کی تعلیمات سے الگ کر کے اس قسم کے بجزاد عقائد و نظریات کے حق میں نت نئی علمی موثر شگافیوں اور کلامی بحثوں کے ذریعے، اللہ کے خوف سے غاری ہو کر، محض بغیر طبعیت بھاڑنے اور اس طرح اپنے کسی خاص ذوق کی تسکین کے لیے رنگ آمیزی کے طور پر استعمال کرنا مقصود ہو تو شیطانِ دلائل کی گمی نہیں، وہ اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کے لیے ایک سے ایک ذیل سمجھاتا ہے۔

در اصل عیسیٰ علیہ السلام کی حیات و ممات پر بحث کی ابتدا کرنے والے وہی لوگ ہیں جن کے درمیان یہ بحث چلی آ رہی ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینی حیثیت دی جانی چاہیے یا کہ نہیں اور آج بھی ممات عیسیٰ علیہ السلام پر وہی لوگ مصر ہیں جو کہ احادیثِ نبوی کو کوئی اہمیت نہیں دینا چاہتے۔ ممات عیسیٰ علیہ السلام کے قائلین اور منکرین حدیث دونوں ایک ہی دقت کی پیداوار ہیں اور یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ جو منکرین حدیث ہے وہ لازماً منکر حیات عیسیٰ علیہ السلام ہو گا اور جو منکر حیات عیسیٰ علیہ السلام ہے وہ لازماً منکر حدیث بھی ہو گا۔ ممات عیسیٰ علیہ السلام کے

قائلین کی اکثریت قتل اور صلب کے مذکورہ واقعہ سے ان کے پیچ نکلنے کی تو قائل ہے لیکن عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کی طرف اٹھ جانے کے بدلے کا انکار کرتی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس قرآن و احادیث کے واضح دلائل کی روشنی میں چودہ سو سال سے یہ معاملہ تصفیق علیہ جلا رہا ہے۔ یہ امر بہ حال اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ صدیوں تک ان ممات عیسیٰ علیہ السلام کے قائلین کی طرف سے اسی کوئی واضح اور مستند نشاندہی نہیں کی گئی، جس سے یہ ثابت ہو کر قتل اور صلب کے واقعہ کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں زندہ رہے۔ اب انیسویں صدی عیسوی میں اس اشکال پر سب سے

پہلے مرزا غلام احمد قادیانی نے توجہ دی اور یہ قفسہ وضع کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام ہجرت کر کے کشمیر تشریف لے آئے تھے یہیں انہوں نے اپنی زندگی کے بقیہ دن پورے کئے اور یہیں موت سے پہلے انہوں کو مدفن ہوئے انہوں نے اس خطہ میں کشمیر کے شہر، محلہ اور قبر کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ لیکن وہ کوئی ایسا ثبوت فراہم کرنے میں ناکام رہے، جس کی تصدیق کشمیریوں سے بھی ہوتی ہو۔ انہیں کشمیر میں کوئی ایسی قبر بھی نہ مل سکی جسے لوگ کسی بھی عیسیٰ کی قبر سمجھتے ہوں تاہم انہوں نے اپنی اس نادر تحقیق کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سری نگر کے محلہ خان یار میں

یوسفؑ کی قبر کے نام سے جو قبر مشہور ہے وہ مسیح علیہ السلام ہی کی قبر ہے جن کو شانزادہ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو براہین احمدیہ "ص ۲۲۸، اس طرح اپنی تحقیق کی اس اتنا ذی منزل پر پہنچنے کے بعد مرزا صاحب "مسیح موعود ہونے کے دعویدار بن جاتے ہیں

موجودہ دور میں ممات عیسیٰ علیہ السلام کے پرچارک ہونے کی حیثیت سے دو گروہ بہت نمایاں ہیں۔ پہلا گروہ ویرانیوں

کچھ مسیح ہوں اور ہندوؤں کے لیے کرشن ہوں اور
دوسری قوموں کے لیے ان کا موعود ہوں۔

(تسلیم پدایت از مرزا بشیر احمد ص ۱۱۶)

ممکن ہے کہ ہندوؤں کے لیے کرشن ہوں کے الفاظ آپ کو چونکا
دیں مگر قادیانیوں کا عقیدہ اس سے بھی آگے ہے۔ مرزا غلام
احمد کے بیٹے مرزا بشیر احمد اپنی تصنیف کردہ کتاب "تسلیم پدایت"
میں قادیانیوں کا عقیدہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جہاں ہم حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت
موسیٰ علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں۔ وہاں پارسیوں
کے زرتشت، بدھ مذہب والوں کے گوتم بدھ،
ہندوؤں کے کنفیشوس اور ہندوؤں کے کرشن
علیہم السلام کی رسالت کا بھی اقرار کرتے ہیں اور
ان کا اسی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں جو
ایک نبی کی شایان شان ہے۔" (ص ۱۱۶)

قادیانی ان تمام احادیث کو صحیح مانتے ہیں جو عیسیٰ
ابن مریم علیہ السلام کے قرب قیامت نزول اور مخصوص کام
کا انجام دے کر موت کے منہ کو چکھنے کے زمانہ کا ذکر کرتی
ہیں۔ اس طرح مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان یہ بحث
ختم ہو جاتی ہے کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں یا کہ غلط۔ بات صرف یہ
باقی رہ جاتی ہے کہ ان کی پوری عبارت صحیح ہے یا صرف نزول
مسیح تک، اگر پوری عبارت صحیح مان لی جائے (جیسا کہ ہے)
تو مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوئے مسیحیت کا ہی سرے سے
خاتمہ ہو جاتا ہے کیونکہ ان احادیث میں صاف طور پر نزول
مسیح ابن مریم کا ذکر ہے تاکہ مرزا غلام احمد قادیانی کا۔
مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے نے جو کہ قادیانی مذہب

برادر مس، دوسرا قادیانی گروپ، یہی دہرے ہیں کہ جن میں
مرسیت احمد خان کے خیالات تقسیم ہو کر پروان چڑھے ہیں۔ یہ لوگ
اللہ جل جلالہ کو قانون فطرت کے خلاف کام کرنے کی اجازت
نہیں دیتے۔ اللہ کی سنت انہوں نے خود طے کر لی ہے۔ اللہ کی
سنت کیا ہے اس کا صحیح جواب کلام اللہ ہی سے مل سکتا ہے
اور چونکہ کلام اللہ کا جواب ان کی حمایت میں نہیں، اس لیے اس
سمت پر ایک قدم بھی چلنے کو تیار نہیں ہوتے۔ البتہ اپنی وضعی
سنت اللہ کو ملے کر بھڑکاتے ہیں کہ یہی وہ سنت اللہ ہے، جس کے
تبدیل ہونے کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ اسی زعم یا مل میں یہ قرآنی
معجزات کو اپنی من پسند عبارتوں میں تبدیل کرنا شروع کر دیتے ہیں
افسانہ نویسی کھان ماہرین سے قرآنی معجزات کے ساتھ وہ سب
کچھ کیا ہے جو یہ کہہ سکتے تھے، اللہ سے بدلے قرآنی انہیں کلام اللہ کی
معجزی تحریک تک ملے گئی ہے جو کہ عیسیٰ علیہ السلام کا پورا اور
صحیح و سالم اللہ کی طرف اٹھایا جانا بھی معجزات میں سے ہے،
اس لیے یہ بھی ان کے قلم کی زد سے نہ بچ سکا۔

منکرین حدیث اور دیری ہوں یا ان کا تعلق کسی دوسرے
گروہ سے ہو، محبات عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی دلیلیوں کا محور و محمل
ان فی اور قانون فطرت ہے اور وہ بھی جو انکی مرضی کے مطابق ہو۔
لیکن قادیانیوں کے پاس کے اس کے علاوہ بھی دلائل ہیں۔ یہ
دلائل اللہ کے قانون کے مطابق ہیں یا ضد پر مبنی ہیں اس پر ہم
انشاء اللہ دوسری قسط میں بحث کریں گے۔ اس وقت ہم مرزا غلام
احمد قادیانی کے دعوئے مسیح موعود پر بات کرتے ہیں۔ ملاحظہ
فرمائیے:

"غلام احمد صاحب قادیانی نے خدا سے الہام پا کر یہ
دعویٰ کیا کہ میں مسلمانوں کے واسطے مہدی ہوں، عیسیٰؑ

کی طرف سے حق ہے، پس تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔ (ال عمران: ۶۰)

مرزا قادیانی کا عیسیٰ علیہ السلام سے فطری مشابہت کا دعویٰ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ وہ کہتے ہیں کہ "سو اس عاجز کو اور بزرگوں کی فطری مشابہت سے علاوہ جس کی تحصیل برائین احمدیہ میں بہ بسط تمام مندرج ہیں، حضرت مسیحؑ کی فطرت سے ایک خاص مشابہت ہے، اور اسی فطرتی مشابہت کی وجہ سے مسیح کے نام پر یہ عاجز بھیجا گیا۔ تا صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کر دیا جائے، سو میں صلیب کو توڑنے اور خبریڑوں کے قتل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ میں آسمان سے اتر اہوں، ان پاک فرشتوں کے ساتھ جو میرے دائیں بائیں تھے" (فتح اسلام: حاشیہ ص ۸)

مرزا غلام احمد قادیانی کو عیسیٰ علیہ السلام سے فطری مشابہت کا ذکر کر کے وقت، مشابہت کی بھی نشاندہی کر لی جائے تھی بالکل اسی طرح جس طرح اللہ نے مثل آدمؑ کہہ کر مشابہت کی نشاندہی فرمائی ہے مرزا قادیانی کو عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے پر سخت اعتراض ہے۔ اس سلسلے میں ان کے فرزند لکھتے ہیں۔

"اب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے صرف آسمان کے اندر محدود نہیں۔ پس اس کی طرف اٹھائے جانے کے معنی آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے کس طرح ہو سکتے ہیں؟ (تبلیغ ہدایت ص ۳)

ایک طرف یہ اعتراض ہے اور دوسری طرف مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ "میں آسمان سے اتر اہوں ان پاک فرشتوں کے ساتھ جو میرے دائیں اور بائیں تھے" سچا تو یہ ہے کہ حق

بخاوات کا انکاب کیا ہے جس کی وجہ سے وہ کاذب ہی نہیں بلکہ ہاف بھی ہے۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ سے علم پاکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی ہو کہ "اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم کو بھیجے گا اور وہ دمشق کے مشرقی حصہ میں سفید مینار کے پاس زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے اور فرشتوں کے بازوؤں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے آئیں گے۔" (مسلم) اور اس کے بعد ایک دوسرا شخص اسے دمشق صلیب کا نام دیکر اور اسے مسیح سمجھنے کے باوجود بھی یہ اعلان کر دے کہ جس اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی، اسی اللہ نے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ "اس نزول سے مراد درحقیقت مسیح ابن مریم کا نزول نہیں ہے بلکہ استعارہ کے طور پر ایک مثیل مسیح کے آنے کی خبر دی گئی ہے جس کا مصداق صبیح اعلام والہام الہی ہی عاجز ہے" (یعنی خود مرزا قادیانی) (مکتوبات احمدیہ، جلد پنجم ص ۵۵، تو بیع مرام ص ۸)

اسے آپ اللہ تعالیٰ سے فراق کے علاوہ اور کیا کہیں گے؟ اور یہ بھی اللہ سے بخاوات ہی کے مترادف ہے کہ جسے اللہ نے مثل آدمؑ کہا ہے اسے مثل مرزا (قادیانی) کہا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ (عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک آدمؑ کی سی ہے، اس نے مٹی سے اس کا قالب بنایا پھر فرمایا کہ ہو جا تو وہ ہو گئے) (ال عمران: ۵۹) اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: أَلَمْ يَخْلُقْ مِنْ دَابَّةٍ فَمَا تَكُونُ مِنْ الْمَخْلُوقِينَ ۚ کہ "یہ بات تو میرے رب

بات زبان پر آئی جاتی ہے گو لاکھ اسے چھپایا جائے۔

یہاں پر مرزا قادیانی کے دعوائے مسیح موعود کے پس منظر کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ان کے دست راست اور ان کے بعد ہونے والے ان کے خلیفہ حکیم نور الدین نے انہیں ایک خط میں یہ مشورہ دیا کہ دمشق حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھپو مگر مثیل مسیح کا دعویٰ ظاہر کیا جائے۔ جس کا جواب دیتے ہوئے مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ

”جو کچھ اُن مخدوم نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر دمشق حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھپو مگر الگ مثیل مسیح کا دعویٰ ظاہر کیا جائے تو اس میں حرج کیا ہے۔ درحقیقت اس عاجز کو مثیل مسیح بننے کی کچھ حاجت نہیں، یہ بنتا چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے عاجز اور مطیع بندوں میں داخل کر لے۔ لیکن ہم اس ابتلا سے کسی طرح بچا نہیں سکتے۔ خدا تعالیٰ نے ترقیات کا ذریعہ صرف ابتلا ہی کو دکھا ہے۔“
(مجموعہ مکاتیب میں موجود اس خط پر ۲۴ جنوری

۱۸۹۱ء کی تاریخ درج ہے)

مرزا غلام احمد قادیانی بقول ان کے فرزند شیر الدین محمود ۱۸۳۶ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر ۱۹۰۱ء میں نبوت کے دھندلے بنے (سیرت الہدی) جس کا مطلب یہ ہوا کہ ۵۵ سال تک حدیث نبویؐ کے مطابق مرزا صاحب کا یہ عقیدہ رہا کہ نزول عیسیٰ ابن مریم ہی کا ہوگا اور اس کے بعد خود نازل ہو کر سامنے آئے۔

براہین احمدیہ میں مرزا قادیانی کو عیسیٰ علیہ السلام

کے آسمان پر اٹھائے جانے اور دوبارہ آنے کا بھی اقرار ہے لیکن اُن کے حل کر اس کتاب کے حصہ پنجم ضمیر نزول المسیح میں اس کا اعتراف اور اس امر پر اظہارِ تعجب بھی کیا کہ وہ اس وقت تک عقیدہ رفع و نزول مسیح کے قائل تھے۔

بعد میں منقرضہ بدل کر عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عقیدہ رفع و نزول سے انکار کیوں کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ مسلمانوں میں عیسیٰ ابن مریم کے نزول کا عقیدہ موجود تھا۔ مرزا نے اس عقیدہ سے سیاسی فائدہ اٹھایا اور نزول ابن مریم علیہ السلام سے لوگوں کی توجہ ہٹا کر خود کو مسیح ابن مریم کی جگہ براجمان کر دیا۔ اس سلسلے میں مرزا قادیانی کی افسانہ طرازی ملاحظہ کیجئے۔

مسلم کی حدیث میں نزول مسیح ابن مریم علیہ السلام کا ہی تذکرہ نہیں ہے بلکہ یہ بھی ذکر ہے کہ وہ دمشق کے مشرقی حصہ میں سفید مینار کے پاس زرد رنگ کے دوپٹے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے بازوؤں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے مابِ حوزہ کہ مرزا اس حدیث کے معیار پر لوہے نہیں اترتے تھے اس لیے خود ان کے ساتھی حکیم نور الدین نے مرزا صاحب کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔ چنانچہ مرزا اس سلسلے میں رقمطراز ہیں کہ

”یہ عاجز بھی اس بات (دمشق کی حقیقت) کی تفتیش کی طرف متوجہ نہیں ہوا کہ وہ معنی کیا ہیں کہ اسی اثناء میں میرے ایک دوست اور محبِ واثق مولوی نور الدین صاحب اس جگہ قادیان میں تشریف لائے اور انہوں نے اس بات کے لیے درخواست کی جو مسلم کی حدیث میں لفظ دمشق ذیترہ چند ایسے

"پس مسیح کا دمشق میں اترنا صاف دلالت کرتا ہے
کہ کوئی مثیل مسیح یوحنا سے بھی بوجہ مشابہت،
ان دونوں بزرگوں کی مماثلت رکھتا ہے، یزید یوں
کی تہنیر اور طرم کرنے کے لیے یوحنا مثیل ہو دیں آئے
گیا۔"

"دمشق کا لفظ محض استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا
ہے" (ایضاً) اور دوزخ و رنگ کی چادریں کس طرح بیماری کا
روپ دھار گئیں یہ بھی دیکھتے چلیے: ارشاد ہوتا ہے۔

"میں ایک دائم المریض آدمی ہوں اور وہ دوزخ و
چادریں جن کے بارے میں حدیث میں ذکر ہے کہ
ان دو چادروں میں مسیح نازل ہوگا، وہ زرد چادریں
میرے شامل ہیں جن کی تعبیر علم الرقیا کی رو
سے دو بیماریاں ہیں۔ سوا ایک چادر میرے اوپر
کے حصہ میں ہے کہ ہوشیہ مسرور اور دودان سر اور
کمی خواب اور تشنج دل کی بیماری دورہ کے ساتھ
آتی ہے اور دوسری چادر جو میرے نیچے کے حصہ

بدن میں ہے وہ بیماری فریاضیس ہے کہ ایک
مذمت سے دامن گیر ہے اور بسا اوقات سو سو دن
رات یا دن کو پیشاب آتا ہے اور اس قدر کثرت
پیشاب سے جس قدر عوارض ضعف وغیرہ ہوتے
ہیں وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں۔"

(میرت المہدی جلد ۲ ص ۱۵۷)

وائے ناکامی کہ احادیث میں مذکور دمشق کے مناد
مشرقی کی کوئی تاویل مرزا صاحب سے نہ ہو سکی لیکن وہ کب
ہارمانے والے تھے انہوں نے قادیان کے مشرقی حصہ میں

مجلس الفاظ ہیں۔ ان کے انکشاف کے لیے جناب
الہی میں توجہ کی جائے۔ چونکہ ان دونوں میری طبیعت
علیل اور دماغ ناقابل جدوجہد تھا، اس لیے میں
ان تمام مقاصد کی طرف توجہ کرنے سے مجبور رہا۔
صرف تھوڑی سی توجہ کرنے سے ایک لفظ کی تشریح
یعنی دمشق کے لفظ کی حقیقت میرے پرکھل گئی۔

(ازالہ اوہام: ص ۳۲، ۳۳)

اس کے بعد دمشق کے بارے میں یہ انکشاف فرماتے ہیں:
پس واضح ہوا کہ دمشق کے لفظ کی تاویل میں میرے
پر من جانب اللہ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس جگہ ایسے
قصیر کا نام دمشق رکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ
رہتے ہیں جو زیدی الطبع اور زید پرید کی عادات و
خیالات کے پیرو ہیں، جن کے دلوں میں اللہ اور
رسول کی کچھ محبت اور احکام الہی کی کچھ عظمت
نہیں۔ جنہوں نے اپنی خواہشوں کو اپنا معمول بنا لیا
ہے اور اپنے نفس امارہ کے حکموں کے لیے مطیع
ہیں کہ متھ سوں اور پاگوں کا خون بھی ان کی نظر
میں سہل اور آسان ہے اور آخرت پر ایمان
انہیں رکھتے اور خدا تعالیٰ کا موجود ہونا ان کی نگاہ
میں ایک پیچیدہ مسئلہ ہے جو انہیں سمجھ نہیں
آتا اور کہ نہ کہ طبیب کو بیماروں کی طرف آنا چاہیے۔
اس لیے ضروری تھا کہ مسیح ایسے ہی لوگوں میں
نازل ہو۔

(حاشیہ: ازالہ اوہام ص ۳۲، ۳۳)

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

”جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان (بنی اسرائیل) کی طرف سے کفر و نافرمانی (کی روش) محسوس کی تو انہوں نے کہا (لوگوں کو پکارا) کہ کون ہے جو اللہ کی راہ میں میری مدد کرے؟ حواریوں نے اس آواز پر لبیک کہا اور اللہ پر اپنے ایمان کے اظہار کے ساتھ اس کی راہ میں ساتھ دینے کا اعلان کیا۔

قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللَّهِ جِ اَمَّا يَا لِلَّهِ جِ دَا شْهَدُ بِاَنَّا مُسْلِمُونَ ه

”حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کی راہ میں مدد کرنے والے ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور گواہ رہے کہ ہم فرمانبردار ہیں (ال عمران: ۵۲)

اور پھر اپنے رب سے عہد کرتے ہوئے اس سے درخواست کی کہ

رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ ه

”اے ہمارے رب! جو (حکم) تو نے نازل کیا ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی پیروی اختیار کر لی۔ اس لیے تو ہمارا نام شہادت دینے والوں میں لکھ دے۔“ (ال عمران: ۵۳)

ایسی حالت میں جب کہ دشمن جان کے درپے ہوں اور مقابلہ زیادہ طاقتور بھی ہوں تو ان کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا آسان کام نہیں ہوتا۔ اللہ کے انبیاء علیہم السلام اور ان کے اہل ایمان ساتھی ہی یہ توفیق پاتے ہیں جن کو بہر حال اللہ کی تائید اور نصرت پر اعتماد ہوتا ہے۔ راہ حق میں عیسیٰ علیہ السلام کی ہمت اور ثبات قدمی کو سراہتے

باتا وعدہ طور پر ایک مینارہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا اور اس سلسلہ میں چندہ جمع کرنے کی ترغیب بذریعہ ”اشتہار چندہ منارۃ المسیح“ دی گئی۔ لیکن مینارہ کی تکمیل تک ان کی زندگی نے دنا نہ کی۔ اور اس طرح یہ مینارہ ان کے فرزند مرزا بشیر الدین محمود کے ہاتھوں مکمل ہوا۔

اس طرح قادیانیوں کے ”مسح“ کا خدول پہلے ہوا اور ”مینارہ مسیح“ بعد میں تعمیر ہوا اور وہ بھی خود اسی ”مسح“ کے حکم سے۔

خود ساختہ ”مسح“ کی افساد طراری کا جائزہ لیتے کے بعد آئیے حیات عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے کو قرآن کی عدالت میں لے چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اللہ کی کتاب سے کس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔

حیات و رفیع عیسیٰ علیہ السلام کی امامت عیسیٰ کی؟ یہ بات تو سامنے آچکی ہے کہ بنی اسرائیل عیسیٰ علیہ السلام کے نسخہ کیا کو زہر قاتل سمجھ کر اس سے برأت کا اعلان کر چکے تھے اور توحید کے داعی کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھ کر ان کی گردن زنی کے لیے مصروف عمل تھے اور یوں بھی اللہ کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرنا تو ان کی عادت بن چکی تھی۔ اس لیے عیسیٰ علیہ السلام کے خون سے اپنی عوار کی بیاس بچانے کے لیے بے تاب تھے بنی اسرائیل اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے جو عقلی انداز اختیار کر رہے تھے، اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اس سے غافل نہ تھے بلکہ انہیں اس کا اندازہ ہو گیا تھا اور یقیناً اللہ ان کی رہنمائی کرنے والا تھا۔ قرآن میں آتا ہے:

فَلَمَّا اَخْسَسْ عِيسٰی مِنْهُمْ اُلْكُفِرَ قَالْ مَسْنُوْ اَنْصَارِيْ اِلٰی اللّٰهِ ط

ہوئے، ان کے عظیم قدردان رب نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اطمینان رکھو، تمہارے دشمنوں کی چال میری تدبیر کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی، میں اپنی تدبیر کو غالب کر کے ان کے منصوبے کو خاک میں ملا دوں گا اور تمہیں زندہ، صحیح و سالم اپنی طرف اٹھا کر ان کی دسترس سے باہر کر دوں گا۔

ظاہر ہے ایسی صورت میں جبکہ ایک طرف کسی کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بن رہا ہو تو دوسری طرف سے لازمی طور پر اسے بچانے ہی کی تدبیر کی جائے گی۔ دونوں تدبیروں کا ایک دوسرے کی ضد ہونا لازمی امر ہے اللہ کی کتاب کے حوالے سے یہ بات ممکن نہیں کہ کسی کی زندگی کو ختم کرنے کی سازش کے مقابلے میں اس کی موت کا فیصلہ ہوا ہو اور پھر کہا گیا ہو کہ یہ اس سازش کے مقابلے میں بہتر تدبیر ہے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان دو متضاد تدبیروں کا کلام اللہ میں یوں ذکر آیا ہے۔

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرٌ لِّمَا كُفِّرُوا ۖ

”اور بنی اسرائیل نے (عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف) چال چلی اور اللہ نے بھی (ان کے خلاف) تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے“ (ال عمران: ۵۴)

لفظ ”مکروا“ کے معنی کسی کے خلاف (اس کو نقصان پہنچانے کے لیے) کوئی خفیہ تدبیر کرنا ہیں۔ اور اس طرح کے خفیہ منصوبے کو ناکام بنانے اور منصوبہ بنانیوالے کو سزا دینے کے لیے اسی انداز سے جو تدبیر اختیار کی جائے وہ بھی ”مکروا“ ہی کی تعریف میں آتی ہے۔ (اور یہی ہر لحاظ سے صحیح ہو گا اور سبق آموز ہوتی ہے) قرآن میں جس ”مکروا“

کو اللہ کی طرف... منسوب کیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہی تدبیر یا مکر ہے جو دشمنانِ حق کی سازشوں کے توڑ یا ان کی ہر کوئی کے لیے اللہ تعالیٰ اختیار فرماتا ہے جتنا بچہ یا بزرگ ”مکروا“ سے مراد وہ خفیہ چالیں یا منصوبہ بندی ہے جو بنی اسرائیل نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے یا صلیب پر چڑھانے کے لیے اختیار کیں۔ اور ”مَكَرَ اللَّهُ“ سے بنی اسرائیل کی سازشوں کو ناکام بنانا اور عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کی تدبیر مراد ہے۔ اور اللہ کی تدبیر کو بنی اسرائیل کے منصوبے کے مقابلے میں لانے کا مطلب یہی ہے کہ یہ وہ اپنی سازش میں ناکام و نامراد ٹھہر چکا ہے اللہ کی تدبیر غالب آئی اور عیسیٰ علیہ السلام کو بچا لیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے صرف عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ہی ان تدبیروں کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اپنی کتاب میں کئی مقامات پر ان متضاد تدبیروں کے مقابلے کا ذکر فرمایا ہے اور ہر جگہ اپنی تدبیر کو غالب کر کے اپنے رسولوں اور اہل ایمان کو باطل قوتوں کے مکر و فریب سے بچانے کا ہی تذکرہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں کتاب اللہ سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ سورۃ العنقل میں اللہ تعالیٰ نے قوم صالح علیہ السلام کے لوگوں کو ان کا ذکر فرمایا ہے جو صالح علیہ السلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے اور اصلاح قبول کرنے کے بجائے فساد پھیلا رہے تھے۔

بالآخر انہوں نے صالح علیہ السلام اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو قتل کرنے کا خفیہ منصوبہ بنایا اور آپس میں عہد کیا جس کی تفصیل اس طرح بیان ہوئی ہے

وَقَالُوا اتَّغْنَا سَمَواتِنا لِلّٰهِ كُنْزِنَا وَاَهْلُکَ

مغرض اللہ نے (اس مردِ مومن) کو ان لوگوں کی بری چالوں سے محفوظ رکھا اور فرعون والوں کو عذاب نے اُن گھبراہٹ (المومن : ۴۵)

۳۔ اور اس وقت بھی اللہ کی تدبیر ہی غالب رہی۔ جب مردِ ادا ان قریش نے دعوتِ حق کو ختم کرنے کے لیے آپس میں خفیہ طور پر مشاوردت کی اور مختلف تجاویز پر غور کرنے کے بعد اس بات پر اتفاق ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے اور قتل کے لیے یہ منصوبہ بنایا گیا کہ اس میں قریش کے تمام بڑے خاندان شریک ہوں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لوگوں کے لیے یہ ممکن نہ رہے کہ وہ قصاص کا مطالبہ کر سکیں لیکن اللہ نے اپنی بہترین تدبیر کے ذریعے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی مرقعہ سازش سے بچا کر ان کے لیے ہجرت کی راہ کھول دی اور اس طرح دعوتِ حق کو مزید پھیلنے کا موقع عطا فرمایا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی مدد سے اپنے خون کے پیاسوں کی آنکھوں میں خاک جھونک کر نکل گئے اور وہ ان کا بال بھی بیکار نہ کر سکے۔ کفار کے اس خفیہ منصوبے کا ذکر قرآن میں اس طرح آیا ہے:

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَهُمْ مُكْرَدُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَكْرُومِينَ ۝

"اور (اے نبی) وہ وقت یاد کرو جب کفار تمہارے بارے میں خفیہ منصوبہ بنا رہے تھے کہ تم کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا (وطن سے) نکال دیں یا وہ (ادھر) وہ جال چل رہے تھے اور (ادھر) اللہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہتر تدبیر کرنے

ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَعَكُ وَنَاْمُكُ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَدِّقُونَ ۝

اور انہوں نے (آپس میں ایک دوسرے سے) کہا کہ اللہ کی قسم کھا کر عہد کر دو کہ ہم اس (صالح) پر اور اس کی آل پر مشیخون مایس گئے پھر اس کے وارثوں سے کہہ دیں گے ہم ان کے قتل کے موقع پر گئے ہی نہیں اور ہم سچ کہتے ہیں۔ (النمل : ۲۹)

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی اس سازش کو ناکام بنا کر اپنے رسول اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا جبکہ سازش کرنے والے پوری قوم سمیت اللہ کے عذاب کا شکار بنے۔ فرمایا: - وَ مَكْرُوا مَكْرًا وَ مَكْرُوا مَكْرًا وَ هُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۚ أَنَا ذَا مَرُّهُمْ وَ قَوْمُهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ "اور وہ ایک جال چلے اور ہم نے بھی ایک تدبیر کی اور ان کو کچھ پتہ نہ چلا۔ پس دیکھ لو کہ ان کی چال کا انجام کیسا ہوا۔ ہم نے ان کو اور ان کی قوم سمیت سب کو ہلاک کر ڈالا۔ (النمل : ۵۰-۵۱)

پھر فرمایا: - وَ أَجْبَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَ كَانُوا يَتَّقُونَ ۝

"اور ہم نے اہل ایمان اور نافرمانی سے بچنے والوں کو بچا لیا۔ (النمل : ۵۳)

۲۔ یہی حشر موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کے مومن شخص کے خلاف فرعونوں کی شرانگیز چالوں کا ہوا۔ فرمایا: - قَوْلَهُ اللَّهُ سَيِّئَاتٍ مَّا مَكْرُوءًا وَ حَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ۝

والا ہے" (الانفال: ۲۴)

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ انبیاء علیہم السلام کی حمایت میں اللہ کی تدبیر کے مقابلے میں کافروں کی چالیں ہمیشہ غیر موثر ثابت ہوئیں۔ اسی طرح قرآن میں جہاں بھی انبیاء علیہم السلام کے خلاف کفار و مشرکین کی تدابیر کا ذکر آیا ہے اللہ نے ہی فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو کفار و مشرکین کی چالوں سے بچا لیا اور یہ کہیں نہیں آیا کہ اللہ نے انبیاء کو کافروں کے ہاتھوں قتل کے منصوبے سے بچانے کے لیے موت سننے پر حکم دیا ہو۔ بالکل اسی طرح بنی اسرائیل کی سادش عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف تھی چاہے وہ قتل کے ذریعہ ہو یا صلیب کے ذریعہ چنانچہ اللہ نے انہیں زندہ اپنی طرف اٹھا کر یہودی دسترس سے محفوظ رکھا۔ یہی قرآن کا فیصلہ ہے اور اسی بات کی اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تسلی اور بشارت دی تھی۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ يَحْيَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَدَافِعُكَ
إِلَىٰ...

"جب اللہ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تمہیں پورا پورا (صحیح سالم) اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں۔" (زال عمران: ۵۵)
عربی لغت کے لحاظ سے "تَوَفَّى" کے حقیقی معنی

"الانتقام بالثمام" یعنی کسی چیز کے پورا پورا بدلے لینے یا کسی چیز کو اپنی طرف تھم کر لینے کے ہیں۔ موت دینے کے معنی میں یہ لفظ حقیقی طور پر نہیں بلکہ مجازی طور پر استعمال ہوا ہے ایسے الفاظ جو اپنے حقیقی اور مجازی معنوں میں مستعمل ہیں، ان کے صحیح مفہوم کے تعین کے لیے سیاق و سباق اور قرآن کو دیکھا جاتا ہے چنانچہ یہاں مسیح علیہ السلام کے بارے میں اور ج ذیل

قرآن اس بات کے خلاف ہیں کہ اس کے معنی موت دینے کے لیے جائیں۔

۱۔ قرآن میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جب ان کی قوموں نے ان کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو اللہ نے ان کو اپنی مدد اور حفاظت کی خوشخبری دی ہے۔ یہاں یہ پوری کی پوری آیت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی پیروی کرنے والوں کے لیے اللہ کی طرف سے خوشخبری اور مدد کے وعدے پر مشتمل ہے۔ اس سیاق و سباق میں آخر یہ کہنے کا کیا موقع ہے کہ میں تمہیں موت دینے والا ہوں۔ بنی اسرائیل بھی تو یہی چاہتے تھے کہ ان کی زندگی کے چراغ کو گل کر دیا جائے۔

۲۔ اَلْكَافِي مُتَوَفِّيكَ سے یہاں موت دینا مراد ہے تو پھر اس کے بعد سَرَفَعَكَ اِلَىٰ کے الفاظ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ کہنے کا آخر کیا فائدہ ہے کہ میں تمہیں موت دینے والا اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ جیسا کہ تادیبان والوں نے بھی اس کا یہی مطلب لیا ہے۔ یعنی "اے عیسیٰ! میں ہی تجھے وفات دوں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھاؤں گا۔۔۔" (تبلیغ ہدایت: ص ۳۴)

جبکہ مُتَوَفِّيكَ کے بعد سَرَفَعَكَ اِلَىٰ کے الفاظ تَوَفَّى کے مفہوم کو واضح کرنے کی دلیل ہیں۔ کہ تمہاری "تَوَفَّى" کی صورت یہ ہوگی کہ میں تمہیں اپنی طرف اٹھا لوں گا۔

۳۔ "سَرَفَعَكَ اِلَىٰ" کے معنی محض رفع درجات لینا درست نہیں۔ ایسی صورت میں اِلَىٰ کا لفظ بالکل بے ضرورت ہو کر رہ جاتا ہے اور قرآن میں کوئی لفظ بلا ضرورت

استعمال نہیں ہوا ہے۔ اگر اس کا مقصد صرف درجے کی
بلندی کو ظاہر کرنا جو تا عربی زبان کے لحاظ سے سافعیؒ
کافی تھا۔ قرآن میں جہاں بھی یہ لفظ مرتبے کی بلندی کے
معنوں میں استعمال ہوا ہے بغیر الی کے استعمال ہوا ہے۔
مثال کے طور پر:-

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا اور ہم نے اس کو اونچے
درجے پر فائز کیا۔ (مریم: ۵۷)

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَذَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ
إِلَى الْأَرْضِ وَتَبِعَ كَهْلُوحَةً اور اگر ہم چاہتے تو
ان آیتوں کے ذریعہ اس (کے درجے) کو بلند کر دیتے
لیکن وہ تو بستی کی طرف مائل ہو گیا۔ اور اپنی خواہش کے
پیچھے چل پڑا۔ (الاعراف: ۱۷۶)

اگر حرف الی کے استعمال کو ملحوظ رکھا جائے تو
”سَافِعِيًّا“ کے لازمی طور پر یہی معنی ہوں گے
کہ میں تم کو عزت و اکرام کے ساتھ اپنی طرف اٹھا لینے والا
ہوں۔

۳۔ قرآن میں دوسری جگہ جہاں یہ مضمون بیان کیا گیا
ہے، وہ ”وَأَن مَّتَّوَفِّيًّا“ کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا قتل
اور صلیب کی نفی کے بعد جس چیز کا اثبات کیا گیا ہے
وہ صرف اٹھالیے جانے کا ہے۔ یعنی بَلَّ رَفَعَهُ
اللَّهُ إِلَيْهِ (بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا ہے)
یہ اس بات کا نہایت واضح قرینہ ہے کہ قرآن نے ”تَوَفِّيًّا“
کی صحیح شکل یہ بتائی ہے کہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی
طرف اٹھالیا۔ ملاحظہ ہو:

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ

مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا
صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شَبَّهَهُمْ بِمَا قَتَلُوا الَّذِينَ
أَخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِيَ شَكٌّ مِنْهُ مَا لَهُمْ
بِهِمْ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظُّلُمَةِ وَمَا
قَتَلُوهُ يَقِينًا

بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا
حَكِيمًا

”اور ان کے کہنے کے بموجب کہ ہم نے مسیحؑ

مریم کے بیٹے عیسیٰ اور اللہ کے رسول کو قتل کر دیا ہے
نہ تو انہوں نے ان کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ معاملہ
ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا اور جن لوگوں نے اس بارے میں
اختلاف کیا وہ ان کی طرف سے شک میں مبتلا ہیں۔
اور انہیں اس کے بارے میں ظن کی پیروی کے سوا کوئی علم
نہیں اور انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں
کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ غالب
اور حکمت والا ہے۔“ (النساء: ۱۵۷، ۱۵۸)

ان آیات کے ذریعے، جو عیسیٰ علیہ السلام

کی موت کی تردید کے باب میں اہم ترین مقام رکھتی ہیں۔
قرآن نے پوری شدت کے ساتھ ان لوگوں کے دعوے کو
رد کیا ہے جو ان کے قتل یا صلیب کے مدعی تھے۔ اگر ان
کی موت واقع ہوگئی ہوتی تو ایسے موقع پر قرآن صاف صاف
اعلان کرتا کہ نہ ان کو قتل کیا گیا اور نہ سولی دی گئی بلکہ اللہ
نے ان کو وفات سے ہمکنار کیا۔ لیکن اللہ کی کتاب نے نہ
صرف یہ کہ یہ کہا نہیں بلکہ یہاں ”تَوَفِّيًّا“ کا لفظ بھی استعمال
نہیں کیا، صرف رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ط کا لفظ

استعمال کیے اور اس کے بعد وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا کہہ کر اس واقعہ کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے کہ یہ کام معمولی نوعیت کا نہیں بلکہ معجزہ ہے۔ چنانچہ ہر صاحب نظر اس بات کا اندازہ کر سکتا ہے کہ قتل و صلب کی تردید کے بعد اس دفع سے موت مراد لینے کی کہاں تک گنجائش ہے؟

قادیانیوں کے نزدیک لفظ "تَوَفَّيْنَا" کے اصل اور مستقل معنی تو موت دینے ہی کے ہیں (تبلیغ ہدایت ص ۱۱۳) اس لیے مرزا بشیر احمد نے یٰحَسْبِيَ اَنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ اَنِّیْ فَعَلْتُ اِلَیْكَ کَا تَرْجَمَہ یہ بیان کیا ہے کہ "اے عیسیٰ میں ہی تجھے وفات دوں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھاؤں گا" اور پھر اس کی یہ وضاحت بھی کی ہے کہ مسیحؑ کی وفات مسیحؑ کے دفع سے پہلے ہوگی کیونکہ مُتَوَفِّیْكَ کَوْرَافِعُکَ سے پہلے بیان کیا گیا ہے اور یہ کہ وفات کے بعد کا دفع روحانی ہوا کرتا ہے تاکہ جسمانی۔ (تبلیغ ہدایت)

سورہ آل عمران کی اس آیت اور لفظ "تَوَفَّيْنَا" کے سلسلے میں ضروری وضاحت گزشتہ سطور میں ہو چکی ہے یہاں پر اتنا عرض کر دینا البتہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قادیانی گروہ (اور اس سلسلے میں ان سے مناسبت رکھنے والوں) کی طرف سے مذکورہ آیت کا یہ مطلب لینے کے نتیجے میں وہ باتیں ضرور سامنے آتی ہیں۔ اول یہ کہ اللہ کے اس وعدے کا تعلق قتل اور صلب کے مشہور واقعہ سے نہیں اور نہ ہی اللہ نے یہ الفاظ عیسیٰ علیہ السلام سے تسلی کے طور پر فرمائے ہیں۔ اور دوم یہ کہ یہ عام نوعیت کے الفاظ ہیں جو کہ عیسیٰ علیہ السلام

سے کہے گئے ہیں یعنی بحسب طرح اللہ عام لوگوں کو موت دے کر (ان کی روح کو) اپنی طرف اٹھایا تبصیح کرتا ہے بالکل ہی طرح وہ انہیں بھی موت دے کر (ان کی روح کو) اپنی طرف اٹھائے گا اور یہ کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں جبکہ یہ دونوں باتیں اس سلسلے میں قرآن کے نفسِ مضمون سے مل نہیں سکتیں بلکہ اس کے برعکس ہیں۔

در اصل قادیانی اور اس معاملے میں ان کے ہمخوار اپنے اپنے مذہب و مقاصد کے حصول کی خاطر قَدْ تَحَدَّثَ مِنْ قَبْلِهِ الرَّسُولُ (ال عمران: ۱۳۳) اور فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِ (المائدہ: ۱۱۷)

والی آیات کو غلط بحث پیدا کرنے کے لیے یکساں طور پر اپنے دلائل کی بنیاد بنا کر پیش کر رہے ہیں اور اس طرح بظاہر ایک قرآنی اصول کی پاسداری کے اندیشے میں دُبلّا ہونے کی داد وصول کر کے، اس حیثیت سے اپنے مکر کا جال پھیلانا چاہتے ہیں۔ ان کا معاملہ تو کچھ یوں ہے۔

۱۔ وہ بات سارے فاسفے میں جس کا ذکر نہ تھا وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسیحؑ کے زندہ آسمان پر اٹھانے جانے کے اس واقعہ سے قرآنی اصول کے مطابق ان کی وفات کے معاملے میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اُمّی قافلوں کے مطابق ضرور بالظہور عیسیٰ علیہ السلام کو موت سے بہکنے دکرے گا یعنی جب وہ اللہ کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق قربِ قیامت دنیا میں تشریف لانے کے بعد اپنا کام انجام دے کر فارغ ہو چکے

ہوں گے، جو آپ کی متعدد اور متواتر احادیث میں بیان ہوئی ہے، اجماع کی تصدیق اللہ کی کتاب ان الفاظ میں کرتی ہے
 وَ اِنَّهُ لَجَلَمٌ لِّلْسَاعَةِ فَلَا تَمُوتُ بِحَاصَا
 وَ اَتَّبِعُوْنَ طَهْذَا صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا
 "اور بیشک وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی نشانی ہیں
 تو (کہندہ کہ لوگو) اس میں شک نہ کرو۔" اور میری پیروی کرو۔
 - یہی سیدھا راستہ ہے (الزخرف: ۶۱)

اب قرآنی آیات اور انکی تشریح و تعبیر پر مشتمل اللہ
 کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کے مقابلے
 میں مرزا غلام احمد قادیانی کے اس افسانے کی کہ "عیسیٰ
 علیہ السلام ہجرت کر کے کشمیر پہنچے اور وہیں وفات پا کر مدفون
 ہوئے۔" کیا کوئی قابل ذکر حیثیت ہے اور کیا قرآن وحدیث
 کے واضح موقف کے مقابلے میں محض ظن کی اتباع کرنے
 والے علم و دانش کے نام نہاد دعویداروں کے بے بنیاد
 دلائل کسی سنجیدہ التفات کے مستحق ہیں؟ (جو اللہ کے فیصلے
 کے خلاف، بنی اسرائیل کے منصوبے کے مطابق اللہ کے
 بنی عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی موت سے قبل ہی مار دینا چاہتے
 ہیں) اس کا فیصلہ قرآن وحدیث کے سچے پیروکاروں کو کرنا
 ہے۔ تعجب تو اس بات پر ہے کہ قرآنی اصولوں کے اندیشے
 میں بلاوجہ قبیلے ہونے والوں کو قرآن میں یہ نظر نہیں آتا کہ
 اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر نوح علیہ السلام کو کس قدر طویل
 زندگی اس دنیا میں عطا فرمائی ہے۔ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا
 نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَيَّسَّ فِيْهِمْ اَلْفَ مَسْنَةِ
 اَلَا خَمْسِيْنَ عَامًا ط (اور ہم نے نوح علیہ السلام کو ان
 کی قوم کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا تو وہ ان میں پچاس برس

کم ہزار برس رہے۔) (العنکبوت: ۱۳)

اور اسی طرح اصحاب کہف کو کئی سو برس تک
 نیند کی حالت میں زندہ رکھا۔ آخر یہ اللہ کی مرضی کے مقابلے
 میں اپنی مرضی چلانا اور اللہ کی مشیت میں مداخلت نہیں تو اور
 کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام، جن کی پیدائش اور اس کے بعد
 کی زندگی معجزات سے مزیّن نظر آتی ہے کو اس طرح معجزانہ
 طور پر طویل زندگی عطا کئے جانے پر نا منظور، کاناغہ بن گیا
 اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنے خانہ ساز اصولوں کا پابند کر
 دیا جائے، یہ اللہ کے غضب کو بھڑکانے والا انداز ہے اور
 شاید ایسی ہی صورت حال کے بارے میں اللہ فرماتا ہے
 كَبُرَتْ كَيْفَةً تُخْرِجُ مِنْ اٰثْوَاٰهُمْ ط اِنَّ
 يَقْوُوْنَ اِلَّا كَذِبًا (الکہف: ۵)

لفظ توفی کے ضمن میں مختصر انگریز عرض ہے کہ
 قرآن میں جا بجا موت کے مقابلے میں حیات کا ذکر آیا
 ہے توفی کے مقابل حیات کا کہیں ذکر نہیں آیا اس کی چند
 مثالیں ملاحظہ ہوں۔ ان سے موت کے مقابلے میں توفی
 کی حقیقت کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاحْيَا
 كُمْ ثُمَّ يَمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ
 تَرْجَعُوْنَ (البقرہ: ۲۸)

فَاَحْيَاہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِہَا۔ (البقرہ: ۶۳)
 قَالَ اِبْرٰہِمْ رَاقِی الَّذِیْ یُحْیِی وَ یُمِیْتُ
 (البقرہ: ۲۵۸)

وَمَنْ یُخْرِجُ الْحَیَّی مِنَ اَطْمِیَّتٍ وَ یُخْرِجُ
 اَلْمَیِّتَ مِنَ الْحَیَّی (یونس: ۳۱) (باقی صفحہ ۲ پر)

سلسلہ سوال و جواب

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمۃ اللہ علیہ — ترتیب: لیفٹیننٹ (ریٹائرڈ) ارشد

سوال: ڈاکٹر صاحب! وتر پڑھ لینے کے بعد کیا تہجد پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: بالکل پڑھ سکتے ہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو اس کی اجازت دی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قَالَ أَوْصَانِي خَلِيلِي بِثَلَاثٍ صَوِّرَ ثَلَاثَةً أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَصَلَاةُ النَّفْسِ، وَلَوْ بِرُحْمَى عَلِيِّ وَشِرِّ. فرمایا کہ میرے خلیل (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی ہے۔ ایک ہر مہینے میں تین روزے رکھنا، دوسرے سوچ غلوغ ہونے کے بعد اشراق کی (دور کھٹ) نماز پڑھنا اور تیسرے وتر پڑھ کر سونا۔ (بخاری و مسلم)

ظاہر ہے صحابہؓ سارے تہجد گزار تھے۔ اس طرح بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر عمل کر کے عشاء کے بعد وتر پڑھ لیا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سونے سے پہلے وتر پڑھنے کے عمل کو امتیاز کی بنیاد پر جائز قرار دیا اور عمر رضی اللہ عنہ کے تہجد کے بعد وتر پڑھنے کو عزیمت کی بات کہہ کر سراہا ہے۔ اسی طرح دونوں عمل جائز ہیں۔ یہ ابو ہریرہؓ والی روایت ہم جیسے لوگوں کے لئے ہے جن کو تہجد کے وقت اٹھنے پر پورا اعتماد نہیں ہوتا اور سوتے رہنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ پہلے وتر پڑھ لیں۔ باقی جو تہجد کے وقت اللہ کی توفیق سے اٹھ سکیں وہ بعد میں پڑھیں یا افضل ہے۔ حدیث میں یہ بھی آیا ہے۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! یہ شفاعت یا سفارش کا کیا معاملہ ہے؟

جواب: سورۃ البقرہ میں مالک فرماتا ہے۔ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ط کہ اللہ کے پاس اُس کی اجازت اور حکم کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکتا اس سے پہلے اہل کتاب امتوں میں بھی یہی تصور پایا جاتا تھا کہ وہ انبیاء کی اولاد ہیں۔ اس لئے اُن کو اگر سزا ملی بھی تو محض چند روز پھر پھڑا لئے جائیں گے اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی ہے کہ ہم نے تم سے کوئی عہد نہیں کر رکھا ہے جس کی ہم خلاف ورزی نہیں کر سکتے، اور یہ کہ تم جو چاہو کرتے پھر واپس کی جس طرح چاہو سفارش کے دعوے کر کے گمراہی پھیلاتے پھر واپس ہم اس کو مان لیں گے؟ فرمایا اللہ نے کسی کو اس کا اختیار نہیں دیا۔ یہ تو اللہ کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں میں سے جس کی چاہے عزت افزائی فرمائے اور میدانِ محشر میں اس کو حکم دے کہ وہ کسی مومن گناہ گار کے لئے

پنے تلے الفاظ میں سفارش کرے کہ مالک اس کے ساتھ رحمت کا معاملہ فرمادے اور پھر اللہ حکم دے کہ اس کے لئے شفاعت ہے۔ یہ بھی باذن اللہ ہے۔ مالک فرماتا ہے۔ **يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّسُولُ وَقَالَ صَوَابًا** (النبا: ۲۸) کہ جس روز جبرائیل علیہ السلام اور سارے فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے اور کوئی زبان نہیں کھول سکے گا۔ اللہ کے حکم بغیر۔ اور اللہ جس کو بولنے کی اجازت دیکر عزت دینا چاہے گا وہ بھی بالکل صحیح اور حق بات کہے گا۔ کسی کافر، مشرک اور منافق کے لئے سفارش نہیں کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔ اور ان کو سفارش اور شفاعت کی اجازت دیکر ان کی عزت افزائی فرمائے گا۔ اس کے بعد دوسرے انبیاء علیہم السلام صدیقین، شہداء اور صالحین کو بھی اللہ شفاعت کا اذن دے گا۔ یہاں تک کہ ایک معصوم بچہ بھی سفارش کرے گا لیکن یہ سب اللہ کی اجازت سے اس کے حکم سے اور اس کی مشیت کے تحت ہو گا اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ اس طرح اپنے ایسے بندوں کی عزت افزائی کرے ان کی قدردانیت کو بڑھانا پسند فرمائے۔

باقی جس کو یہ سفارش کہتے ہیں شفاعت قہری جو ہر مشرک امت اپنے لئے چھانت لیتی ہے کہ ہم فلاں نبی کی امت ہیں۔ ان کی اولاد میں یا یہ ہمارے حضرت ہیں، غوث ہیں، دستگیر داتا ہیں ان کی خدمت کرو ان کے دن مناؤ۔ پھر ان کی سیوہ ہے ان کی نذر و نیاز ہے ان کی پکاریں ہیں اللہ کو چھوڑ کر۔ اور یہ تصور و عقیدہ ہے کہ ان کا مقام ہے یہ چھپتے اور لاڈلے ہیں اللہ کے، اگر وہاں کوئی فیصلہ ہمارے خلاف بھی ہو گیا تو یہ ہمارے کام آئیں گے۔ چل کر اللہ سے فیصلہ بدلوالیں گے۔ ہماری سفارش کر کے ہمیں چھڑالیں گے، ہم چاہے کچھ بھی کریں ان کے دامن گرفتہ ہیں یہ ہماری دستگیری کریں گے

سفارش کا یہ جو تصور پایا جاتا ہے آج بھی ہر طرف اس کو مالک نے مشرک بلکہ مشرک کی جڑ قرار دیا ہے۔ سفارش تو وہ کرتا ہے جس کا علم زیادہ ہو چاہے اختیارات کم ہوں۔ اللہ فرماتا ہے علم ہمارے پاس اختیار ہمارے پاس تم کیا سفارش کرو گے؟ یہ محض ہماری پسند اور ہماری مرضی کی بات ہے اور ہمارا حکم پانے کے بعد اگر تم کہہ دو گے (وقال ثوبا) اور وہ بھی صحیح بات کہ مالک! ان کے ساتھ کوئی سبیلانی کرنا تو یہ سفارش اللہ کے ہاں ہے۔

جیسا کہ حدیث میں آتا ہے جس نے خالص دل سے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کہا ہو گا اس کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہوگی۔ باقی دوسری سفارش جس کے اوپر مشرک ہوتا ہے کہ بابا کے دن مناؤ، گیارہویں کرو۔ وقت پڑے گا تو اس دنیا میں بھی دستگیری کریں گے اور اگر کہیں وہ دن بھی آگیا جس کا یقین ہمیں کم ہی ہے وہاں بھی اگر مشکل پڑی تو یہ چل جائیں گے اور فیصلہ ہمارے حق میں کرالیں گے۔ سفارش کا یہ تصور کفر و مشرک کی پیداوار ہے جس کا کتاب سنت سے کوئی تعلق نہیں۔

سوال۔۔ **وَكُؤَاظِمُوا أَنْفُسَكُمْ بِمَا كُؤُوا** ... والی آیات کے بارے میں کچھ وضاحت فرمائیے جواب۔ یہ سورۃ النساء کی جو آیت ہے یہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی بات ہے۔ اس کے پہلے جتنے میں فرمایا گیا، **وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَيْطَاعٌ بِإِذْنِ اللَّهِ** کہ ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے وہ اس لئے کہ ہمارے

حکم سے اس کی پوری اطاعت کی جلتے۔ اپنے معاملات کا اس سے فیصلہ کرایا جائے۔ مگر اللہ فرماتا ہے یہ منافقین ہیں جو ایک طرف آپ پر ایمان کے دعویدار بھی ہیں لیکن اس کے باوجود اگر ان کو کوئی مسئلہ پیش آجائے جس میں یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کے پاس آئیں گے فیصلہ کروانے کے لئے تو ان کے خلاف فیصلہ پڑے گا تو یہ ظالم ایسے ہیں کہ اپنے بڑوں کے پاس فیصلہ کروانے چلے جلتے ہیں۔ اس طرح یہ ایمان کا اقرار کرنے کے بعد اللہ کے حکم کی نافرمانی اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب کرتے ہیں کہ آپ کو اس لائق نہیں مانتے۔ فرمایا جنہوں نے اس طرح اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے اس کی تلافی اور اصلاح کی ایک ہی صورت ہے کہ اگر ان کو توبہ کی توفیق ملے تو وہ آئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا اعتراف کریں کہ انہوں نے آپ کی موجودگی میں آپ کے بھلنے مانعوں یا یہودیوں کو اپنا حکم بنایا ہے پھر اللہ سے استغفار کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے اللہ سے استغفار کریں توبہ کہیں جا کر یہ پوری توبہ اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوگی۔ وَلَوْ أَنفَعُ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُكَ فَاسْتَفِيزُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفِرَ لَهُمْ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝ اور اگر یہ لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے کے بعد ترے پاس آ جلتے اور اللہ سے استغفار کرتے اور تو بھی ان کے لئے استغفار کرتا تو یقیناً وہ اللہ کو بخشے والا اور رحم کرنے والا پائے (النساء: ۶۴) تو یہ ایک چیز جو خالص آپ کی زندگی کے لئے مخصوص تھی۔ اب دیکھئے کس طرح چالاک سے اس سے فائدہ اٹھایا گیا اور کہا کہ اب جاؤ اور قبر کے پاس پہنچنے کے بعد اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ وہ بھی استغفار کریں اس طرح آپ نے مرنے کے بعد بھی زندہ مانو اور اللہ کی کتاب کا الکار کرو جیسا کہ آج کل یہ پھیلا جا رہا ہے۔ پھر ایک بھوٹی روایت لائے کہ ایک بدو قبر نبوی کے پاس آیا اور اس نے یہ آیت پڑھی اور پھر قبر پر گر پڑا اور کہا کہ میں آپ کے پاس آیا ہوں کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ آپ استغفار کریں تو آپ میرے لئے استغفار کیجئے۔ جب اس نے یہ کہا تو اللہ سے یہ آواز آئی کہ تجھے معاف کر دیا گیا۔ یہ بالکل بھوٹی روایت ہے۔ یہ قبریں اور آستانے میں پوری طرح سند کے ساتھ اس کی تفصیل دیکھ لیجئے کہ کس طرح شرک کو پھیلائے کے لئے بھوٹی روایتیں بنی ہیں اور کس طرح اس بات کو قابض ہا کر آج امت کو شرک کی اس گندگی میں ڈال دیا گیا ہے۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! قرآن میں جو یہ بات فرمائی گئی ہے علم غیب کے بارے میں کہ اللہ نے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی کو نہیں دیا۔

جواب: غیب کا علم تو اللہ کے سوا کسی کو نہیں سورۃ النمل میں اللہ فرماتا ہے۔

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا رَحِيضِ الْغَيْبِ إِلَّا اللَّهُ ط

کہہ دو کہ اللہ کے علاوہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کا کسی کو علم نہیں۔ (آیت نمبر ۶۵)

البتہ اللہ وہ جگہ فرماتا ہے ہم اپنے رسولوں کو جو ذمہ داری دیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ان کو غیب کی کچھ باتوں سے باخبر کر دیتے

باقی صفحہ نمبر ۴۶ پر ملاحظہ فرمائیں

سفیدی پر سیاہی

رخسار سے ہے گردِ مزارات ہویدا
سجڑوں کی جبینوں سے جھلکتی ہے سیاہی

اے "اشہد ان اللہ کے پیرو یہ بتادے

رخسار و جہیں دیتے ہیں اب کس کی گواہی

سجدے بھی کئے خاکِ مزاروں کی بھی چلائی

بتاؤ تو کیا ہیں یہی احکامِ الہی

جو بات تمہاری ہی شریعت سے الگ ہے

دو دن بھی نہ فرمانِ محمد سے نباہی

مسجد سے تمہیں عارِ مزاروں سے عقیدت

اللہ کرے دُورِ دلوں سے یہ سیاہی

عنیت کی ہے یہ بات بڑے شرم کی جاہ

ہو شرک کا سالار محمدؐ کا سپاہی

کیا کیا نہ مزاروں پہ ان آنکھوں نے دکھایا

توبہ ہے الہی مری توبہ ہے الہی

سرسارِ عقیدت تجھے یہ بھی نہیں معلوم

ہوتی ہے ذرا سے میں سفیدی پر سیاہی

جنتیوں کا بنیادی عقیدہ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی الہ نہیں جو خالق و مالک کہلائے جانے کا مستحق ہو۔ عالم الغیب حاضر و ناظر مختار کل سمجھا جائے۔ نفع و نقصان جس کی مٹھٹی میں ہو۔ حاجت والی ہشکل کشانی بفریاد رسی جس کی صفت ہو۔ اٹھتے بیٹھتے جس کو پکارا جائے جس سے غائبانہ خوف کمایا جائے، اُمیدیں و البستہ کی جائیں۔ جس پر توکل کیا جائے۔ واسطہ اور وسیلہ کے بغیر جس سے دعائیں مانگی جائیں، جس کے حضور رکوع و سجود ہو۔ جس کے نام کی نذر و نیاز کی جائے۔ قانون سازی جس کا حق ہو۔ سب جس کے بندے اور محتاج ہوں۔ کسی کو اُس پر زور یا زبردستی کا یا راندہ ہو۔

محمد رسول اللہ کے اقرار کے معنی یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بشر اور اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔ اُن کے قول و عمل کے سامنے کسی کا قول و عمل ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل کو وہی تعبیر معتبر ٹھہرے گی جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہے قیامت تک سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے ہر شعبہ میں سداً آخر ہے اور ہر قسم کی بدعت قابل رد۔

اس عقیدہ کا مالک گناہ گار سے گناہ گار بندہ انجام کار جنت کی بادشاہی میں پہنچ کے ہے گا۔ (انشاء اللہ) اور اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والا جنت کی خوشبو تک نہ پا سکے گا چاہے وہ دس میں ہزار نمازیں پڑھنے والا ہر روز تہجد ادا کرنے والا صائم الدھر ہو۔